جلد ۷۹ جولائی 'اگست ۱۹۹۵ء شمارہ ۔ ۴

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ' کولمبس' اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دینی خدمات

(۳)

۹۔ سنت اللہ و معجزہ:۔ ان اصطلاحات پر بھی حضرت مرزا صاحب نے روشنی ڈالی ہے۔ پہلے سنت اللہ کو لیتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے یہ تعلیم دی کہ سنت اللہ سے مراد وہ عادات الٰہیہ یا قوانین الٰہیہ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کامل سے قرآن مجید میں فرمادیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (احزاب ۶۲ : ۳۳، فتح ۲۳ : ۴۸) کہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے یعنی اس کے خلاف کوئی بیان کرے تو ہرگز قبول نہ کرو۔ لیکن بدقسمتی سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ سائنس کے ذریعے ہمیں جو قوانین قدرت کا علم حاصل ہوتا ہے وہی سنت اللہ ہے پس اس کے خلاف اگر کچھ دیکھیں یا سنیں تو ہرگز نہیں مانیں گے کیوں کہ سنت اللہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ بالبداہت غلط ہے کیوں کہ سائنس کے دریافت کردہ اصول اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کامل سے ہمیں نہیں بتلاتے کہ ان میں تبدیلی کا امکان نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کے اصول اور نظریات تو آتے دن بدلتے رہتے ہیں ان کو نہ تبدیل ہونے والی سنت اللہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ خود سائنس دان بھی ان سائنسی اصولوں اور نظریات کو حرف آخر نہیں سمجھتے اور ان پر غور و فکر سے تحقیق میں لگے رہتے ہیں اور نئی نئی دریافتیں کرتے ہیں۔ اگر وہ ان اصولوں اور نظریات کو تبدیل نہ ہونے والے سمجھتے تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے اور سائنس کی ترقی رک جاتی۔ اس لئے جن قوانین قدرت کو سائنس دریافت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے علم کامل سے ان پر اطلاع نہیں دی تو اگر ایسے قوانین کے خلاف اگر کچھ سنیں تو فوراً ہی انکار نہ کردیں بلکہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے فیصلہ کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت جو بات سائنسی قوانین کے خلاف نظر آتی ہو وہ درحقیقت "خلاف عقل" نہ ہو بلکہ اس وقت کے سائنسی علم کے لحاظ سے "بالا تراز عقل" ہو اور بعد میں کبھی اس کی صداقت ثابت ہوجائے۔

سنت اللہ کی مثال جس پر کبھی تبدیل نہ ہونے کا اطلاق ہوتا ہے قرآن شریف سے ہی لینی چاہئے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس نے اس کی حفاظت فرمائی ہوتی ہے۔ ایک مثال سنئے سورہ زمر ۳۹ آیت ۴۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ترجمہ): اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو مرے نہیں ان کی نیند میں۔ پھر انہیں روک رکھتا ہے جن پر موت کا حکم ہوچکا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے۔

ایسی ہی دوسری جگہ سورہ انبیاء آیۃ ۹۵ میں فرماتا ہے وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (ترجمہ) اور اس بستی پر جسے ہم ہلاک کردیں لازم ہے کہ وہ لوٹ کر نہ آئیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک سنت اللہ بیان فرمادی ہے کہ جو ہلاک ہوجاتے وہ دنیا کی طرف واپس نہیں بھیجا جاتا۔ لہٰذا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس ارشاد الٰہی کے بعد ہم کسی نبی یا ولی کا اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں مان سکتے کہ اس نے کسی حقیقی مردے کو جس کی روح قبض ہوچکی تھی زندہ کردیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خود بتائی ہوئی سنت کے خلاف ہے اور اس نے یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ میری سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ پس ایسے معجزہ کی تاویل کی جائے گی مثلاً یہ معنی لئے جائیں کہ مردہ سے مراد روحانی مردہ ہے اور زندہ کرنے سے مراد اس میں نئی روحانی زندگی کی روح پھونکنا ہے۔ جسمانی موت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں

کہ کسی ایسے مریض کو شفا ہوئی جو مرا تو نہیں تھا لیکن مردہ کی سی حالت ہو گئی تھی۔

غرض انسان کے محدود مشاہدات اور تجربات سے اخذ کردہ قوانین کا نام سنت اللہ رکھنا اور پھر کہنا کہ ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی جہالت ہے۔ اسی طرح سائنسی قوانین کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اسے فوراً ہی رد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ خوب تحقیق کر کے اور تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے کہ وہ رد کرنے کے قابل ہے یا وقتی طور پر اسے "بالاتر از عقل" کہنا چاہیئے۔

اب معجزہ کو لیجئے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سنت اللہ کے توڑنے کا نام معجزہ ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ سنت اللہ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ معجزہ سنت اللہ کے توڑنے کا نام نہیں ہے بلکہ بجائے خود سنت اللہ ہے جس کا ظہور برگزیدگان الٰہی اور انبیاء کے ساتھ ان کے منجانب اللہ ہونے پر بطور نشان کے ہوا کرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں دو طور پر ہیں۔ ایک **عادات عامہ**، جو اسباب کے پردے میں مستور ہو کر سب پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ دوسری **عادات خاصہ** جو بتوسط اسباب اور بلا توسط اسباب خاص ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا میں کھوتے جاتے ہیں۔ یعنی جب انسان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی عادات بشریہ کو رضائے حق کے حصول کے لئے تبدیل کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی اس تبدیل شدہ حالت کے موافق اس کے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے جو دوسروں سے نہیں کرتا۔ اسے خارق عادت کہنے سے یہ مراد نہیں کہ وہ سنت اللہ کے خلاف ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ عادت عامہ الٰہیہ کے خلاف ہے۔ عام زندگی میں بھی ہم یہی کچھ دیکھتے ہیں۔ دو شخص جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے آپس کے تعلقات ان کے دوسروں کے ساتھ تعلقات سے مختلف ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان کی روح میں تبدیلی اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو عادات خاصہ الٰہیہ حرکت میں آ کر اپنے آثار نمایاں طور پر دکھانے لگتی ہیں اور بعض اوقات انسان میں ایسی تبدیلی آ جاتی ہے کہ اس حالت میں اگر اسے شیروں کے آگے ڈالا جائے تو وہ اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ کچھ بھی تعجب کی بات نہیں کہ رب العالمین اپنے بندے پر ایسا ربوبیت کا اثر ڈالے کہ اس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں جو عادت عامہ الٰہیہ سے مختلف ہوں۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہوتی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کا اثر اپنے خواص بندوں پر بھی ویسا ہی ہو جیسا کہ عام بندوں پر۔ اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ اگر لوہے کو آگ میں تپایا جائے تو اس میں کسی قدر خاصہ آگ کا ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اس پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ تعجب جب ہوتا کہ تپانے کے بعد بھی وہ پہلی حالت پر ہی رہے اور اس میں کچھ فرق نہ آئے۔ پس معجزہ بجائے خود سنت اللہ ہے۔ کسی سنت اللہ کے توڑنے کا نام نہیں۔ اس کا ظہور برگزیدگان الٰہی کے ساتھ عادات خاصہ الٰہیہ کے رنگ میں ہوتا ہے۔ قرآن کی زبان میں اسے آیت اللہ کہتے ہیں۔

۱۰۔ **دیدار الٰہی کے متعلق عقیدہ**۔ مسلمانوں کے بعض فرقے دیدار الٰہی کے قائل ہیں بعض نہیں۔ سائنس کی ترقی سے اتنی بات واضح ہو چکی ہے کہ مختلف چیزوں کو دیکھنے کے لئے مختلف قسم کی شعاعوں کی ضرورت ہے۔ انسان کے جسم کی ہڈیاں آنکھ کو نظر نہیں آتیں لیکن ایکس رے کی شعاعوں سے نظر آ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لئے بھی ایک خاص روشنی کی ضرورت ہے جو نور ایمان و عمل سے پیدا ہوتی ہے جس کے ساتھ قلب کی آنکھ عالم باطن یا عالم روحانیات کا نظارہ کرتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل تھے۔

انسان کے جملہ حواس کا مرکز اس کا قلب ہے۔ جسمانی آنکھ، کان، ناک وغیرہ محض ذرائع ہیں جن سے مختلف احساسات ظاہری دنیا سے قلب کو منتقل ہوتے ہیں۔ اگر قلب کی توجہ ہو تو انسان محسوس

کر لیتا ہے ورنہ نہیں۔ بسا اوقات انسان کا قلب کسی اور طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سامنے سے کوئی چیز گذر جاتے تو اسے پتہ بھی نہیں لگتا حالانکہ ظاہری آنکھ نے اسے دیکھا ہوتا ہے اور اسے قلب کی طرف منتقل کیا ہوتا ہے لیکن قلب نے توجہ نہ ہونے کی وجہ سے اسے قبول نہیں کیا ہوتا۔ یہ تو مادی دنیا کے نظاروں کی بات ہے لیکن روحانی نظارے براہ راست قلب تک پہنچتے ہیں انہیں مادی آنکھ کان ناک وغیرہ ذریعوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن بات پھر توجہ کی طرف آتی ہے۔ اگر قلب ان روحانی نظاروں (رویا۔ کشوف وغیرہ) کی طرف متوجہ ہو تو انہیں محسوس کرے گا ورنہ نہیں۔ یہ توجہ صرف انہیں بزرگوں کے قلوب کو حاصل ہوتی ہے جن کا نور ایمان اور عمل کی برکت سے نہایت اعلیٰ مقام پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ مادی سائنس اس روحانی عالم سے بے بہرہ ہے۔ اس مادہ پرستی کے زمانے میں حضرت مرزا صاحب کا یہ بہت اہم کارنامہ ہے کہ آپ مادی فلسفہ سے قطعاً مرعوب نہ ہوتے اور منہاج نبوت پر قدم مارتے ہوتے عالم روحانیات کو بڑے زور سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور بطور ثبوت اپنی ذات کو پیش کیا جو اور کوئی مذہبی لیڈر خواہ کسی مذہب کا ہو نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ جو کچھ کہتا ہوں مشاہدہ اور تجربہ کے بعد کہتا ہوں۔ اس طرح آپ نے روحانیت کو ایک سائنس کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور صلائے عام دی کہ جس کو تحقیق منظور ہو میرے پاس آئے۔ پاس رہ کر عالم روحانیت کا مشاہدہ اور تجربہ کرے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سے بزرگ جو حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان کی زندگیاں اس دعوے پر گواہ بن گئیں۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی سورہ ۶ انعام کی آیت ۱۰۳ میں لکھا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (ترجمہ) نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے۔

جب نگاہیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں تو پھر حضرت مرزا صاحب دیدار الٰہی کے کیسے قائل تھے؟ تو بات یہ ہے کہ ایک تو یہ کہ اس آیت میں ابصار سے مراد دنیاوی آنکھیں ہیں اور دوسرے یہ کہ اگر روحانی آنکھ بھی مراد لی جاتے تو "درک" کا لفظ جو یہاں آتا ہے اس کے معنے احاطہ کرنا ہیں یعنی پوری طرح محسوس اور معلوم کر لینا نہ کہ صرف دیکھنا۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ انسان کی یا کسی بھی مخلوق کی آنکھ مادی ہو یا غیر مادی۔ بہرحال محدود ہے وہ لامحدود ہستی کا کیسے احاطہ کر سکتی ہے؟ خود نبی کریم صلعم نے جو فرمایا کہ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کہ جو تیری معرفت کا حق ہے وہ میں نے بھی نہیں پہچانا۔ تو اس سے بھی یہ مراد ہے کہ عارف کی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتی ہے لیکن اس پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل ۱۷ کی آیت ۷۲ میں جو آیا ہے وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (ترجمہ) اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔ تو اس سے بھی ظاہر ہے کہ جس نے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی وہ آخرت میں بھی دیدار الٰہی سے محروم نہیں رہے گا۔

۱۱۔ **ملائکہ کے متعلق عقیدہ**:۔ مسلمانوں کے بعض فرقے ملائکہ کا خارج میں کوئی وجود نہیں مانتے بلکہ قدرت کی مختلف قوتوں کو ہی ملائکہ کا نام دیتے ہیں۔ یہ قرآن کریم اور تمام انبیاء کے مشاہدات اور تجربات کے خلاف ہے۔ حضرت مرزا صاحب بھی ملائکہ کے خارجی روحانی وجود کے قائل تھے۔ یہ وہ نورانی اور روحانی ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے افعال کے ظہور کے وقت بطور واسطے کام کرتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اول سفلی ملائکہ:۔ ان کا تعلق عالم مادی سے ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اصل خالق اور حقیقی سبب تو جناب الٰہی کی ذات ہی ہے خواہ درمیان میں کتنے ہی واسطے اور اسباب موجود ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ وراء الورا اور تمام مادی تعلقوں سے پاک اور مقدس ہے اس لئے افعال الٰہیہ کے ظہور کے وقت مادی اسباب

کے سلسلے اور اپنی مسبب حقیقی ذات کے درمیان جناب الہیٰ ہمیشہ ایک سبب روحانی و باطنی ضرور رکھتے ہیں جسے ملک یا فرشتہ کہتے ہیں۔ ملائکہ وہ روحانی اور نورانی ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کے ماتحت اس کے افعال کو معرض ظہور میں لاتی ہیں اس کے لئے وہ عالم مادی کی ہرایک قوت اور ہرایک ذرے سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح ایک مصور کے ہاتھ میں برش کام کرتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے نہ کچھ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ جو مشرکین ملائکہ سے مرادیں مانگتے ہیں ان کا یہ فعل ایسا ہی لغو ہے جیسا کہ کوئی تصویر بنوانے کے لئے مصور کی بجائے برش سے درخواست کرے۔ ملائکہ اسباب ظاہری کے ہر سلسلہ کے ابتدا میں سبب باطنی ہوتے ہیں جن کا تعلق ایک طرف تو خدا سے ہوتا ہے اور دوسری طرف عالم مادی سے، انہیں سفلی ملائکہ کہا جاتا ہے۔

(۲) دوسرے علوی ملائکہ:- یہ وہ ملائکہ ہیں جو باطنی اور روحانی عالم میں مشیت الہیٰ کے ماتحت افعال الٰہیہ کو ظہور میں لاتے ہیں۔ اگرچہ عالم روحانی میں مادہ کی ظلمت موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا تقاضا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل روحانی عالم میں بھی خدام کے ذریعے ہو۔ یہی ملائکہ انسان کے قلب پر نیکیوں کی تحریک کرتے ہیں اور نبیوں اور ولیوں پر وحی الہیٰ پہنچاتے ہیں۔

۱۲۔ **تقدیر، دکھ، سکھ کے متعلق عقیدہ:**- اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس کے چلانے کا بندوبست کیا ہے اس کی بنیاد اختلاف پر ہے۔ مثلاً اگر دنیا میں صرف مرد ہی ہوتے یا صرف عورتیں ہی ہوتیں تو نسل انسانی کبھی کی ختم ہو گئی ہوتی۔ اختلافات کی وجہ سے انسان کے مختلف جذبات کام کرتے ہیں۔ اچھے ایمان اور اعمال سے انسان کے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور کفر اور بد اعمالیوں سے اس کے الٹ ہوتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کے نزدیک سکھ اور دکھ خدا کی طرف سے دو طریقے انسانوں کے امتحان کے ہیں جن کے ذریعے انسان کے اخلاق کا امتحان ہوتا رہتا ہے جیسا کہ سورہ کہف کی آیت ۷ میں آیا ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ (ترجمہ) جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لئے زینت بنایا ہے تاکہ انہیں آزمائیں کہ کون ان میں سے بہترین عمل کرنے والا ہے۔ اور سورہ ۲ بقرہ کی آیت ۱۵۵ میں آیا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ (ترجمہ) اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو۔ بعض دفعہ دکھ انسان کی بد اعمالیوں پر سزا کے طور پر بھی آتا ہے جیسا کہ سورۃ ۴۲ شوریٰ کی آیت ۳۰ میں ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۔۔۔ (ترجمہ) اور جو تم پر مصیبت پڑتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ پس جب دکھ اور سکھ خدا کی تقدیر کے ماتحت انسان کی آزمائش کے لئے آتے ہیں تو مقصد ہوتا ہے کہ انسان کے اخلاق ترقی پذیر ہوں۔ اس کے لئے صبر اور اچھے اعمال کی ضرورت ہے۔ متکلمین اسلام میں ایک گروہ انسان کو اپنے اعمال میں مجبور خیال کرتا ہے۔ یہ جبریہ کہلاتے ہیں۔ دوسرا گروہ انسان کو اپنے ہرایک معاملے میں بااختیار سمجھتا ہے۔ یہ قدریہ کہلاتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کا فیصلہ اکابر اہل سنت کے حق میں ہے کہ **لا جبر و لا اختیار**۔ یعنی انسان نہ اپنے ہر فعل میں مجبور ہے اور نہ بااختیار۔ کسی حد تک اختیار ہے اس سے باہر نہیں۔ انسان کی زندگی میں یہی نظر آتا ہے۔ مثلاً دل حرکت کرتا ہے۔ یہ انسان کے بس میں نہیں۔ لیکن زبان سے بولنا اس کے بس میں ہے چاہے بولے چاہے نہ بولے۔ چاہے سچ بولے چاہے جھوٹ۔ شریعت میں اس کی ذمہ داری اسی حد تک ہے جہاں تک اس کا اختیار ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ سورہ ۲ بقرہ کی آیت ۲۸۶ میں فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (ترجمہ) اللہ کسی پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر جس قدر اس کی طاقت ہو۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ہر حالت میں خواہ سکھ کی ہو خواہ دکھ کی ایمان کے ساتھ اعمال صالح بجا لاتا رہے تاکہ اس کے اخلاق ترقی پذیر ہوں۔

۱۳۔ خیر و شر:- یہ مسئلہ حکماء کے درمیان بحث کا موضوع رہا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا مذہب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت الحکیم ہے اس لئے اس نے جو کچھ پیدا کیا حکمت کے ساتھ کیا۔ اس لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اپنی جگہ پر ضروری ہے۔ یہ بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ ہر چیز کا استعمال ایک حد کے اندر مفید ہے اور اس سے باہر نقصان دہ۔ مثلاً سانپ کا زہر۔ ڈاکٹر لوگ جانتے ہیں کہ تھوڑی مقدار میں بعض بیماریوں میں دوائی کا کام دیتا ہے لیکن زیادہ مقدار میں نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر مختلف جذبات ہیں جب وہ اپنی حدود کے اندر کام کرتے ہیں تو اخلاق فاضلہ اور اعمال حسنہ کہلاتے ہیں اور جب حد سے گذر جائیں تو برائی بن جاتے ہیں۔ غصہ ہی کو لے لو۔ ایک حد کے اندر اس سے شجاعت، غیرت دلیری وغیرہ کے اعمال حسنہ پیدا ہوں گے۔ حد سے گذر جاتے تو گالی گلوچ، قتل و غارت تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ قرآن کریم نے ان حدود کا نام جن کی پابندی سے انسان اپنے تمام جذبات اور حواس اور قویٰ کا اپنے خالق کے منشاء کے مطابق استعمال کر سکتا ہے، حدود اللہ رکھا ہے۔ ان کے متعلق سورہ ۴ نساء کی آیات ۱۳ میں آتا ہے۔ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ یُدۡخِلۡہُ نَارًا خَالِدًا فِیۡہَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ○ (ترجمہ) یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی حد بندیوں سے آگے نکلتا ہے اسے آگ میں داخل کرے گا وہ اس میں رہے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ معلوم ہوا کہ حدود اللہ کی پابندی سے جنت ملتی ہے یعنی وہ خیر یا نیکی ہے اور ان کے توڑنے کا بدلہ جہنم ہے یعنی وہ شر یا بدی ہے۔

۱۴۔ شیطان:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا۔ یہ وسوسہ اس کائنات کے نظام پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ حدود اللہ کی پیروی سے جنت ملتی ہے اور انہیں توڑنے کا بدلہ جہنم ہے۔ کونسا راستہ اختیار کرے یہ انسان کا اپنا کام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں نیکی کی تحریک کرنے کے لئے فرشتے پیدا کئے ہیں اور بدی کی تحریک کے لئے جن یا ابلیس۔ اب انسان کے اپنے نفس یا ضمیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ کس تحریک کو قبول کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جو فیصلہ کرے گا ویسا ہی نتیجہ پائے گا۔ جیسا کہ سورہ ۲ بقرہ کی آیات ۳۸ اور ۳۹ میں آتا ہے۔ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ○ (ترجمہ) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت پر چلا، نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا وہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔ اب اگر بدی کا محرک ہی نہ ہو اور انسان کے اندر بدی قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو اچھے اعمال اس سے کیسے سرزد ہوں گے اور وہ انعامات کا مستحق کیسے ہو گا۔

تمام انسانیت کے لیئے اسوہ حسنہ

کلام آزاد محمد، ٹرینیڈاڈ

"محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے" (۳۳ : ۴۰)۔

"یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ میں ایک نیک نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے" (۳۳ : ۲۱)۔

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ گواہ بس ہے" (۴۸ : ۲۸)۔

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔ اور ان میں سے اوروں کو بھی جو ابھی ان کو نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے" (۶۲ : ۲،۳)۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء میں سے افضل ترین نبی ہیں یہ ایک ایسی سچائی ہے جو اظہر من الشمس ہے اور ہر صدی اور ہر ملک کے مسلمان کا اس پر ایمان ہے۔ مگر اس بات پر کہ وہ حقیقی معنوں میں آخری اور کامل ترین نبی تھے ابھی تک ایک استفہامیہ نشان بنا ہوا ہے۔ شیعہ اور سنی بھائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام صلیب پر سے آسمان پر زندہ اٹھائے گئے اور وہ آخری زمانہ میں واپس آئیں گے اور حضرت مہدی موعود کے ساتھ مل کر کفار کے خلاف ایک خونی جنگ لڑیں گے تاکہ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی شان و شوکت کو واپس لاسکیں۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد صدی چہار دہم، مسیح موعود و مہدی موعود نے قرآن اور حدیث، تاریخی شواہد اور اپنے الہامات سے ثابت کیا ہے کہ دراصل حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ نے انہیں بچا لیا اور یہ کہ صلیب سے بچ نکلنے کے بعد انہوں نے کشمیر کا سفر اختیار کیا جہاں انہوں نے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف اپنے مشن کی تکمیل کی اور ایک سو بیس سال کی پکی عمر پا کر فوت ہوئے اور ان کا مقبرہ اب بھی محلہ خانیار سرینگر میں موجود ہے (دیکھو "مسیح ہندوستان میں")۔

یہاں میں بتاتا چلوں کہ لاہور احمدیہ جماعت نے اس سلسلہ میں قابل قدر تحقیق اور لٹریچر پیدا کیا ہے اور خواجہ نذیر احمد صاحب کی کتاب "جیسزان ہیون آن ارتھ" یعنی حضرت مسیحؑ جنت ارضی پر اس موضوع پر بہترین علمی شاہکار اور ایک لحاظ سے حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب نے اس بات کی بھی نشان دہی کی کہ یہ تصور کہ کوئی اور نبی آکر حضور صلعم کے کام کی تکمیل کرے گا حضور صلعم کی شان کے منافی ہے اور یہ بیان دے کر کہ اب نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر ہر لحاظ سے مہر ثبت کر دی ہے۔ اس کے لئے انہوں نے قرآن مجید کی ایک دو نہیں تیس آیات پیش کیں۔ احادیث، مفسرین اور لغت کی سند پیش کیں۔ ان کے علاوہ تاریخ، آثار قدیمہ اور قدیم مذہبی کتب سے شواہد کا تومار لگا دیا۔

حضرت مرزا صاحب کا یہ موقف ہے کہ اگر تمام مسلمان اس بات کا اعلان کر دیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں تو یہ بات عیسائیت کو ختم کرنے کے لئے ایک مضبوط بنیاد ثابت ہوگی۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں کے حضرت مسیحؑ کے متعلق اعتقادات

عیسائیت کو سہارا دیتے ہوتے ہیں اور یہ بات کہ عیسیٰ نبی اللہ واپس آئیں گے عیسائیت کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف ایک مضبوط دلیل ہے جو اس کو زندہ رکھے ہوتے ہے! یہ غلط نظریہ بذات خود عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کی طرح ایک معمہ ہے کیونکہ یہ کئی تکلیف دہ سوالات کو جنم دیتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ نبی اللہ کس حیثیت میں واپس آئیں گے؟ اور تب تو ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے گی! اور پھر کیا ان کی حیثیت ایک امتی کی ہو گی جیسا کہ احادیث میں آیا ہے؟ اس صورت میں کیا خدا اپنے ایک نبی کی تنزلی کرے گا اور کیا وہ قرآن میں دیتے ہوتے وعدہ کے خلاف ایک نبی کو جنت سے نکالے گا؟ اور پھر یہ سوال بھی پیدا ہو گا کہ جب وہ واپس آئیں گے تو ان کی عمر اور ان کی جسمانی حالت کیا ہو گی؟ کیا وقت گذرنے کے ساتھ ان میں کوئی تغیر نہ ہو گا۔

حضرت مرزا صاحب نے اس بات کے جواب میں کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں اور آنے والا مثیل مسیح ہو گا۔ جو قرآن شریف حدیث اور مجددین اور اولیائے اسلام کی تحریروں سے ثابت ہے حضرت مرزا صاحب نے اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ مسیح موعود اور مہدی دراصل ایک ہی شخص کے دو نام ہیں اور دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں نہیں ہیں جیسا کہ عام مسلمان سمجھتے ہیں! اور چودھویں صدی ہجری کا مجدد ہی وہ موعود مسیح ہے جس پر آخری زمانہ سے متعلق تمام پیشگوئیاں منطبق ہوتی ہیں اور جس طرح عیسیٰ نبی اللہ حضرت موسیٰ کے چودہ سو سال بعد اسرائیلی مسیحا ہوتے تھے! اسی طرح یہ موعود مسیح سلسلہ محمدیہ میں چودہ سو سال کے بعد ظاہر ہوا تاکہ وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کرے اور دوسرے ادیان پر دلائل، براہین اور روحانی مشاہدات سے غلبہ کو ثابت کرے۔

اور دوسری طرف ہمارے ربوی احباب نے اپنے لیڈر مرزا محمود احمد صاحب مرحوم کے اتباع میں ختم نبوت کی یہ توضیح فرماتی ہیں کہ اس کا مطلب آخری نبی نہیں بلکہ یہ کہ نبی کریم صلعم کا اتباع کر کے مستقبل میں بھی نبی بن سکیں گے اور بایں وجوہ حضرت مرزا صاحب نبی تھے!

اس بارہ میں بھی لاہور جماعت کا لٹریچر قرآن مجید، حدیث اور بانی سلسلہ احمدیہ کی تحریرات کے حوالے سے موثر انداز میں حضرت امام وقت کے نام اور تحریک احمدیہ پر سے ان دھبوں کو مٹانے کی غرض سے موجود ہے اس سلسلہ میں مولانا محمد علی صاحب کی کتاب النبوۃ فی الاسلام جس کا انگریزی میں شیخ محمد طفیل صاحب نے Prophethood in Islam کے نام سے کیا قابل ذکر ہے اسی طرح حضرت مولانا مرحوم کی ایک چھوٹی لیکن بڑی مفید کتاب "آخری نبی" The Last Prophet ہے جس میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی کتاب "حقیقت النبوت" کا جواب دیا گیا ہے اور ان غلط تصورات اور گمراہ کن تاویلات کا رد کیا گیا ہے جو مسئلہ ختم نبوت اور بانی سلسلہ احمدیہ کے دعاوی کے متعلق مہیا کئے گئے ہیں۔

مذکورہ کتاب میں ذیل کے چھ ابواب باندھے گئے ہیں:

۱۔ مسئلہ نبوت اور مرزا محمود احمد
۲۔ حدیث میں ختم نبوت کا مفہوم
۳۔ دیگر مسلم آئمہ اور صحابہ رسول کی آراء جن کا مرزا محمود احمد صاحب نے حوالہ دیا ہے۔
۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول
۵۔ ختم نبوت اور بانی سلسلہ احمدیہ
۶۔ مرزا محمود احمد نے ۱۹۱۰ میں ختم نبوت کا مطلب آخری نبی بیان کیا تھا

مندرجہ بالا عنوانات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ختم نبوت سے متعلق غلط تصورات اور ان کے تمام پہلوؤں پر کس خوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم کتاب حافظ شیر محمد مرحوم کی "لا نبی بعدی" ہے جس میں ختم نبوت، کفر و اسلام،

بانی تحریک احمدیت کے دعاوی اور ان پر اعتراضات کے جوابات نہایت مدلل، حوالجات اور شواہد کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں کم و بیش یہ سارا علمی اور منقولی ذخیرہ جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ کے سامنے پیش کیا گیا جو بعد میں ہمارے نہایت قابل اور محنتی نوجوان ڈاکٹر زاہد عزیز نے "دی احمدیہ کیس" کی شکل میں مرتب کیا ہے اور جسے میں "لاہور احمدی ہینڈ بک" گردانتا ہوں۔ ان کے علاوہ بے شمار کتابچے اور سلسلہ مضامین ہیں جن کا یہاں ذکر طوالت کا موجب ہو گا۔ جب اس کتاب کا جواب مولانا محمد علی صاحب نے "النبوۃ فی الاسلام" کی شکل میں دیا تو اس کے بعد "حقیقتہ النبوت" کی دوسری جلد کبھی بھی منظر عام پر نہ آئی!

حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں سے چند حوالے درج ذیل کئے جاتے ہیں جو اس قابل ہیں کہ انہیں زیادہ غور سے پڑھا جائے۔ اس ضمن میں پہلی بات جو ربوہ کے مبلغین بڑے زور شور سے ہر کس و ناکس کو چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی ایک آیت جو کہ خاتم النبیین کا مطلب آخری نبی ثابت کرنے میں مدد کرے قرآن مجید سے نکال کر دکھائی جائے۔ تو جناب حضرت مرزا صاحب نے خود اس سلسلہ میں یہ آیت پیش کی ہے یعنی:- اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ : ۳)۔

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا!" اور مزید ثبوت کے لئے انہوں نے حدیث لا نبی بعدی پیش کی اور پھر حضرت مولانا محمد علی صاحب نے مطالبہ کیا کہ وہ لوگ جو خاتم النبیین کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور صلعم کے بعد اور نبی آئینگے انہیں قرآن کی ایک ایسی آیت یا کوئی معتبر حدیث نکال کر دکھانی چاہیئے جو کہ ان کے اس دعویٰ کو ثابت کرنے میں مدد ہو!

مزید براں حضرت مرزا صاحب نے ایک مستقل نبی اور مجازی، ظلی اور جزوی نبی کے درمیان فرق کرنے کے لیئے ایک مابہ امتیاز قائم کیا: وہ کہتے ہیں:-

"ایک نبوت کے دعوے دار کیلئے لازم ہے کہ وہ اللہ لا شریک لہ پر ایمان رکھے۔ وہ دعویٰ کرے کہ اللہ اس پر وحی بھیجتا ہے اور وہ یہ وحی لوگوں تک پہنچاتے، وہ ایک امت بھی بناتے اور یہ امت اس کو خدا کا نبی سمجھے اور یہ کہ وہ خدا سے کتاب بھی لے کر آتے" (اخبار الحکم جلد ۷ نمبر ۲۔ ۱۰ جون ۱۹۰۳)

ہم ربواتی بھائیوں سے سوال کرتے ہیں:-

"کیا حضرت مرزا صاحب اس زمرہ میں شامل ہیں؟" اس سلسلہ میں تیسری بات یہ ہے کہ مرزا محمود احمد صاحب کا دعویٰ ہے کہ نبوت تین قسم کی ہے پہلے اپنی تحریروں میں انہوں نے نبوت کی صرف دو قسمیں لکھی تھیں اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں وہ ابن عربی کا حوالہ دیتے ہیں۔ مگر سنئے حضرت مرزا صاحب اس نکتہ پر کیا کہتے ہیں:-

"محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ گو تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے مگر غیر تشریعی نبوت جاری ہے۔ مگر میرا عقیدہ ہے کہ ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہے سوائے نبی کریم صلعم کے ظل کے طور پر ---!" اسی بارہ میں ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دلیل یہ دی کہ نبوت تو صرف مردوں کیلیئے بند ہوئی ہے (حدیث میں صرف **لا نبی بعدی** ہے **لا نبیۃ بعدی** نہیں یعنی یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں میرے بعد کوئی نبیہ نہیں کہا!) مگر حضرت مرزا صاحب نے آیت الرجال قوامون علی النساء (سورہ نساء : ۳۴) "مرد عورتوں پر نگراں ہیں" کا حوالہ دیتے ہوئے اس عقیدہ کی نفی کی اور کہا کہ بہت سے قرآنی احکامات میں گو مردوں سے خطاب ہے مگر عورتیں اس میں شامل ہیں۔

(بدر۔ جلد ۲ نمبر ۱۳۔ ۱۷ اپریل ۱۹۰۳)

اور آخری بات یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے مخالفین نے اعلان کیا تھا کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ اسلئے

لگایا تھا کیونکہ گو وہ زبان سے ظلی مجازی جزوی نبی اور مجدد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے مگر دل میں اپنے آپ کو حقیقی نبی سمجھتے تھے! حضرت مرزا صاحب نے اس بارہ میں باقاعدہ قسم کھائی کہ یہ اعلان اور الزام سچ نہیں!

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:-

"حضرت مرزا صاحب نے جب یہ قسم کھائی تو وہ کس قسم کی نبوت کا انکار کر رہے تھے؟"

"یا یہ کہ وہ نعوذباللہ جیسا کہ مخالفین کہتے تھے دھوکے باز تھے اور خود ان کے صاحبزادے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اس الزام کی تائید کر رہے ہیں؟" اب ہم موضوع کے دوسرے عنوان کی طرف آتے ہیں رسول اکرم صلعم کا بنی نوع انسان کیلئے مکمل نمونہ ہونا اور خاص طور پر اس کنونشن کے حوالے سے کہ "احمدیہ تحریک کے ذریعہ اسلام کا پھیلنا اور آخر کار غالب آنا"۔

خود قرآن شریف نبی کریم صلعم کے اعلیٰ مقام کی گواہی دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:-

"اور تو یقیناً بلند اخلاق رکھتا ہے" (۶۸ : ۴)

"اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا سورج" (۳۳ : ۴۵، ۴۶)۔

"اور یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک نیک نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے" (۳۳ : ۲۱)

"اور ہم نے تجھے تمام قوموں کیلئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے"۔ (۲۱ : ۱۰۷)

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی کتاب "آئیڈیل پرافٹ" میں مندرجہ بالا آیات پر مندرجہ ذیل نکات کے ذریعہ مزید روشنی ڈالی ہے یعنی

- حضور صلعم کا پیغام کامل تھا
- ان کی دعوت کامل تھی
- ان کی شخصیت کامل تھی
- ان کا کردار کامل تھا
- وہ ایک کامل نمونہ تھے
- نہایت اعلیٰ ترین خوبیوں کے مالک تھے
- مشن میں کامیابی بھی بے نظیر تھی۔ اور یہ نکتہ خاص طور پر

غیر مسلم مذہبی نقاد بھی مانتے ہیں کہ ہمارے نبی صلعم بنی نوع انسان کی تاریخ میں کامیاب ترین مذہبی شخصیت تھے۔

حضور صلعم کے مشن کی وسعت، کام کی مشکلات اور نتیجتاً ان کی عظمت کا اندازہ لگانے کیلئے ہمیں اس معاشرے کی حالت اور جو کامیابی انہوں نے حاصل کی پر نظر ڈالنا ہوگی۔

اس تناظر میں اس وقت کے حالات کے بارے میں ہمیں قرآن شریف میں کچھ یوں نقشہ ملتا ہے:-

"خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوگیا اس وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا تاکہ انہیں اس کا کچھ مزہ چکھاتے جو انہوں نے کہا شاید وہ رجوع کریں" (۳۰ : ۴۱)۔

تاریخ دان کہتے ہیں کہ انسانی تہذیب تباہی کے گڑھے پر کھڑی تھی اور قریب تھا کہ پارہ پارہ ہو جاتے۔ انسان درندگی کا نمونہ بن چکے تھے دوسرے الفاظ میں انسانوں کی شکل میں درندہ تھے زمین کے ہر گوشے میں جہالت اور درندگی کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور سرزمین عرب تو سب سے زیادہ تاریک تھا جہاں ہر قسم کا گناہ اور بداخلاقی عام تھی۔ اس سلسلہ میں ایک غیر مسلم مبصر کا حوالہ کافی ہو گا:-

"یادداشتوں کی پہنچ سے بھی پہلے مکہ اور جزیرہ نمائے عرب ایک روحانی مدھوشی میں ڈوبے ہوتے تھے۔ یہودیت، عیسائیت یا فلسفی سوچ کا عرب دماغ پر عارضی و سرسری اثر بالکل اسی طرح

تھا جس طرح ایک پر سکون جھیل میں خفیف سی لہریں جس کی سطح کے نیچے وہی تعطلی اور خاموشی قائم ہو! لوگ توہم، ظلم و تعدی اور برائی میں ڈوبے ہوئے تھے ۔۔۔ ان کا مذہب کیا تھا ۔۔۔ ایک بھدی قسم کی بت پرستی! اور ان کا ایمان ۔۔۔ ان دیکھی چیزوں کا توہم پرستانہ ڈر! ہجرت سے تیرہ سال پہلے مکہ اس قعر مذلت میں بے جان پڑا تھا۔ تب اگلے تیرہ سالوں نے کس قدر تبدیلی پیدا کی!

یہودیت کی سچائیاں بہت عرصہ سے مدینہ والوں کے کانوں میں گونج رہی تھیں مگر جب تک کہ عربستان کے نبی کا روح پرور پیغام ان تک نہ پہنچا وہ اپنی خواب خرگوش سے بیدار نہ ہوتے۔ تب وہ یکایک ایک نئی اور سنجیدہ زندگی میں داخل ہو گئے (میور، لائف آف محمدؐ باب ۷)۔

مگر جو شاندار انقلاب نبی کریمؐ نے اتنے قلیل عرصہ میں پیدا کیا اس کی ایک جھلک حضرت مرزا صاحب کی اس تحریر سے کیا خوب نظر آتی ہے:-

"وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الہٰی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الہٰی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فنا فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں تھیں جنھوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَغَمِّہٖ وَحُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ"۔

(برکات الدعا ص ۱۰)

اور جیسا کہ غیر مسلم تاریخ دان نے بھی مندرجہ بالا تحریر سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"کبھی بھی کسی قوم کو اتنی تیزی سے مہذب نہیں بنا دیا گیا جتنا کہ اسلام نے عرب قوم کو"!

(نیو ریسرچز مصنفہ ایچ ہرش فیلڈ ص ۵)۔

اگر ہم مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نظر دوڑائیں اور اس کی گذشتہ صدیوں کی شاندار کارگذری کو پیش نظر رکھیں تو ایک عام مبصر بھی غیر مسلم مغربی نقطہ نظر کو کہ "اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے یہ ایک از من وسطیٰ کا وحشیانہ مذہب ہے اور یہ ماڈرن سوسائٹی کے تقاضوں اور مصلحتوں کیلئے بالکل ناموزوں ہے"! نظرانداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس رائے سے بھی کہ "اسلام کا سنہری دور تو آیا تھا مگر گذشتہ وقتوں میں اپنے اوج پر پہنچا اور اب تمام گذشتہ تبدیلیوں کی طرح یہ بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے"!

مگر محترم بھائیوں اور بہنو! یہ صرف ایک سطحی نقطہ نظر ہے یہ سچ ہے کہ نبی کریمؐ فوت ہو چکے ہیں اور اسلام کا سنہری دور ماضی میں برپا ہوا تھا۔ ہمارے نبی کریم صلعم اب بھی روحانی طور پر زندہ ہیں اور ان کا پیغام آخیر وقت تک زندہ رہے گا اور تمام دوسرے ادیان پر غالب آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کامیابی کا انتظام کر رکھا ہے!

جس وقت مسلمان مایوسی و تنزل میں ڈوبے ہوئے تھے تو حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے علمی بصیرت اور روحانی قوت سے مسلمانوں کے دلوں کو یقین سے بھر دیا جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلعم نے پیشگوئی کی تھی:-

"اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا" (ابو داؤد)

یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے صدی کے سر پر مبعوث کرے گا (وہ شخص) جو کہ اس امت کیلئے اس کے دین کی تجدید کرے گا"

"وکیف انتم اذ انزل فیکم ابن مریم وھو امامکم منکم یعنی تمہارا کیا حال ہو گا جب ابن مریم تمہارے درمیان

نازل ہوگا اور وہ تمہارے ہی میں سے ایک امام ہوگا۔"

اور مزید ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ:-

"جب تم مہدی کو پاؤ تو اس کی بیعت کرنا۔ چاہے تمہیں اس کے لیئے برف پوش پہاڑوں پر سے گھٹنوں کے بل چلنا پڑے کہ وہ مہدی ہے اور خلیفتہ اللہ ہے" (ابن ماجہ)

"اور جو بھی تم میں سے عیسیٰ ابن مریم سے ملے تو اسے میرا سلام پہنچانا! (در منثور)

اور ہمیں خبردار کیا گیا ہے کہ:-

"جو اس حالت میں مرا کہ اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا"!

اور مہدی کی سچائی کو گواہی کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی کہ:-

"یقیناً ہمارے مہدی کیلئے دو نشانیاں ہیں جو کہ اس سے پہلے کبھی ظاہر نہیں ہویں جب سے زمین و آسمان وجود میں آتے ہیں۔ چاند کو اس کی پہلی رات میں ماہ رمضان میں گرہن لگے گا اور سورج کو اس کے درمیانے دن میں"۔ (سنن دار قطنی)

(دیکھئے قرآن شریف ۷۵ : ۹ - ۷ اور نوٹ نمبر ۲۶۱۰ انگریزی ترجمہ قرآن از مولانا محمد علی)۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ یہ گرہن حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں دو بار لگے اور دونوں گرہن مشرق اور مغرب میں رمضان کے مہینے میں دیکھے گئے۔ قادیان میں چاند کو ۱۳ مارچ اور سورج کو ۲۸ مارچ (۱۸۹۴) کو اور مغربی ممالک میں چاند اور سورج کو ۱۱ مارچ اور ۲۸ مارچ (۱۸۹۵) کو گرہن لگے! اس سلسلہ میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات بھی قابل غور ہیں:-

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے"! اور ان میں سے اوروں کو بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے"! (۶۲ جمعہ ۲، ۳)۔

حضرت مرزا صاحب نے آیت کی وضاحت کرتے کہا کہ یہ آیت نبی کریم صلعم کی دوسری بعثت کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور یہ کہ اس آیت کی پیشگوئی ان کے وجود اور ان کے ساتھیوں کے وجود میں پوری ہوگئی!

تحفہ گولڑویہ میں حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ گو دین کی تکمیل اور اتمام حضور صلعم کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر تبلیغ اسلام کی تکمیل اس وقت نہ ہو سکی کہ حالات ساز گار نہ تھے اور اس نے ساری دنیا میں پھیلنا تھا مگر اس زمانہ میں تمام حالات اور انتظامات موجود ہیں۔ سائنسی ترقی نے تمام دنیا کو ایک گاؤں بنا دیا ہے اور اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لئے بے شمار ذرائع وجود میں آچکے ہیں۔ مگر چونکہ یہ کام حضور صلعم کے سپرد تھا اسلئے ضرور تھا کہ وہ اس مشن کو مکمل کرنے کیلئے دوبارہ دنیا میں آتے۔ تاہم چونکہ قانون ایسی کسی فوت شدہ شخص کی واپسی کو ممتنع قرار دیتا ہے اسلئے سورہ ۴۸ آیت ۲۸ کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کا آنا ضروری تھا جو کہ نبی کریم صلعم کا ظل ہو یا نبی کریم صلعم کے روحانی کمالات کا کچھ حصہ رکھتا ہو اور بلا شک یہ ہمارے امام حضرت مرزا صاحب ہی ہیں جو کہ تمام گذشتہ انبیاء کے کمالات کا مظہر ہیں بالکل اسی طرح جس طرح نبی کریم صلعم تمام گذشتہ انبیاء کے کمالات کے جامع تھے اور اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت مرزا صاحب نے احمدیہ تحریک کی بنیاد رکھی اور پیشگوئی فرمائی کہ یہ تحریک آدم علیہ السلام کے دور کے موجودہ چھٹے ہزار سال میں اسلام کا مکمل غلبہ لے آئے گی اور یاجوج ماجوج اور دجال کے فتنوں کو ختم کریگی۔

حضرت مرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ذوالقرنین کا جو ذکر ہے وہ اس زمانے کے حالات کا نقشہ ہے اور انہوں نے ذوالقرنین کے سفروں کو بھی اسی پس منظر میں پیش کیا

ہے۔

اپنے پہلے مغربی سفر میں ذوالقرنین مغرب کو گیا اور وہ سورج کے مقام غروب تک پہنچا اور اسے کالے کیچڑ کے تالاب (بحرہ اسود) میں ڈوبتے ہوئے پایا" ! (۱۸ : ۸۶)۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کہتے ہیں کہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مغربی قومیں جن کو انجیل کی پاک تعلیمات دی گئیں تھیں انہوں نے انہیں بگاڑ دیا گویا کہ کالا کیچڑ بنا دیا !

ذوالقرنین کا دوسرا سفر مشرق کی طرف تھا:۔

" پھر وہ ایک (اور) راہ پر چلا یہاں تک کہ جب وہ (ادھر) پہنچا جدھر سورج نکلتا تھا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتے ہوئے پایا جن کے لئے ہم نے اس سے بچنے کیلئے کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی" (۱۸ : ۸۹، ۹۰)۔ یہ اشارہ عامۃ المسلمین کی طرف ہے جنہوں نے تمام مجددوں کو عموماً اور عصر حاضر کے امام کو خصوصاً جھٹلایا اور اس طرح گویا اس کے سایہ میں رہنے کی سزاوار نہ رہے اور نتیجتاً مصیبتوں اور ابتلاؤں اور اندرونی و خارجی مذلت و شرمساری کی گرمی میں جھلس رہے ہیں اور یہ مصیبت تمام دنیائے اسلام پر پڑی ہوئی ہے !

اپنے تیسرے سفر میں وہ ایک رستہ پر چلا حتیٰ کہ وہ پہاڑوں کے درمیان میں ایک جگہ پر پہنچا تو ان پہاڑوں کی دوسری طرف اسے ایسے لوگ ملے جو مشکل سے ایک لفظ بھی نہ سمجھ پاتے تھے:۔

انہوں نے کہا:۔ " اے ذوالقرنین ! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں فساد کرنے والے ہیں تو کیا ہم تیرے لئے کچھ خرچ مہیا کر دیں تا کہ تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دے۔

اس نے کہا جو میرے رب نے مجھے طاقت دی ہے وہ بہتر ہے سو تم مجھے اپنی قوت سے مدد دو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دوں گا" (۱۸ : ۹۲ ـ ۹۵)۔

اور ان آیات سے مراد بانی سلسلہ کی جماعت ہے اور ہم چمکتی ہوئی صفائی سے دیکھ سکتے ہیں کہ صرف یہی لوگ ہیں جو کہ یاجوج و ماجوج کے فتنہ کو روک سکتے ہیں کیونکہ انہیں حضرت مرزا صاحب نے قرآنی تعلیمات کی ایسی بصیرت عطا کی ہے اور ان کے دلوں میں اسلام کی فوقیت کا ایسا یقین پیدا کیا ہے کہ مشکل سے مشکل حالات میں خدمت اسلام کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ پھر خدا نے اس الہام کے ذریعے وعدہ بھی فرمایا ہے :

" میں تیرا نام عزت کے ساتھ دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا اور تیرے نام کو بلند کروں گا" اور وہ خود تذکرۃ الشہادتین ص ۶۴ پر ہمیں خوشخبری دیتے ہیں:۔

" اے تمام لوگو سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور برہان کے رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشیگا وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔"

اگر ہم احمدیہ تحریک کی قلت تعداد و وسائل کو دیکھیں، موجودہ مخالفت کے طوفانوں پر نظر کریں اور پھر اس تحریک کی اندرونی اختلافات کو دیکھیں تو ہمیں اس تحریک کے ذریعہ غلبہ اسلام محض ایک خواب ہی معلوم ہوتا ہے ! مگر حضرت مرزا صاحب نے ہمیں بتایا ہے کہ انقلاب لانے کیلئے اللہ تعالیٰ کو زمین کو ہلا دینے والے واقعات اور ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اکثر اس کے نہایت کمزور اور خفیف سے وجود اس کی مشیت کو زور دار طریقے سے پورا کر سکتے ہیں اور اس تناظر میں وہ سورہ ۱۰۵ کی تفسیر یوں کرتے ہیں:۔

" اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ کیا ان کی تدبیر کو برباد نہیں کیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ

پرند نہیں بھیجے جو ان پر سخت پتھر مارتے تھے سو انہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔"

جس طرح پرندوں نے پہلے ابرہہ کو تباہ کیا تھا یہ ایک قبل از وقت نظارہ تھا کہ کس طرح احمدی موجودہ ابرہہ یعنی یاجوج ماجوج اور دجال کو تباہ کریں گے!

اس مقصد کیلئے ہمارے امام وقت نے ہمیں مفصل ہدایات دی ہیں اور مشورہ دیا ہے کہ ہم کس طرح اس زبردست فتح کی راہ ہموار کر سکتے ہیں! وہ ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ ہم جو کہ ان کی جماعت کے ممبر ہیں اور انہیں مسیح موعود مانتے ہیں کہ ہم ہر قسم کی ناپاک عادات ہر قسم کے ظاہری یا باطنی گناہ کو ترک کر دیں۔ تمام بنی نوع انسان سے ہمدردی سے پیش آئیں اور اپنے دلوں کو ہر قسم کے کینہ، نفرت، حسد، بغض اور آلودگی، غرض ہر قسم کے منفی جذبات سے خالی کریں۔ اطاعت اور پاکیزگی میں فرشتوں کا سا نمونہ پیش کریں اور یاد رکھیں کہ ایک دین دار زندگی حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے اندر الہیٰ صفات پیدا کریں! ہمیں تمام زمین کے باسیوں پر رحیمانہ سلوک کرنا چاہیئے تاکہ آسمان سے ہم پر رحم نازل ہو! حضرت مرزا صاحب ہمیں ایک ایسی طرز زندگی کی طرف بلاتے ہیں جس سے ہمارے دل نور ہدایت سے روشن تر ہو جایں مگر اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں ہر قسم کے حسد اور سفلی جذبات سے چھٹکارا حاصل کرنا ہو گا۔

مگر یہ ایک دن کا کام نہیں ہے! ہمیں ثابت قدمی اور استقامت سے زندگی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہو گا! وہ فرماتے ہیں۔

"ہر قسم کی کاہلی و سستی چھوڑ دو اور تضرع کی راہ اختیار کرو۔ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاؤ تاکہ وہ تمہارا ایمان سلامت رکھے اور تم سے راضی و خوش ہو جائے!"

تمہیں دھوبی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ کس طرح پہلے وہ میلے کپڑوں کو رات بھر بھٹی میں رکھتا ہے تاکہ گرمی سے ہر قسم کی میل کچیل صاف ہو جائے تب اگلی صبح وہ انہیں اٹھا کر دریا کے کنارہ لے جاتا ہے اور باری باری پتھر پر مارتا اور ہنگالتا ہے تا وہ اسی طرح براق سفید نکل آئیں جیسے وہ شروع میں تھے۔ اسی طرح ہمیں بھی تپش اور کوٹ اور دھلائی سے اپنے برے جذبات کو صاف کرنا چاہیئے کیونکہ ہماری نجات روح کی پاکیزگی پر منحصر ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں نہیں کہا:-

قد افلح من زکہا (کامیاب ہوا وہ جس نے اسے پاک کیا!)

(۹۱ : ۹)

ایک اور جگہ حضرت امام وقت ہمیں یوں نصیحت کرتے ہیں:-

"میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ جہاں تک نام کا تعلق ہے تو میری جماعت اور دوسرے مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم مسلمان ہو اور وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں! تم بھی کلمہ پر ایمان رکھتے ہو اور وہ بھی! تم بھی قرآن کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہو اور وہ بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں غرض دعویٰ کی حد تک دونوں گروہ برابر ہیں مگر اللہ صرف زبانی دعووں سے راضی نہیں ہوتا اور وہ خوش نہیں ہوتا جب تک تمہارے الفاظ میں سچائی نہ ہو اور جو تم دعویٰ کرتے ہو اس کا ثبوت بھی ہو اور اس بات کی شہادت موجود ہو کہ تمہاری حالت تغیر پذیر ہے۔۔۔ میں دیکھتا ہوں کہ بیعت کرنے والوں کی تعداد مسلسل بڑھتی جا رہی ہے مگر کیا ہر شخص بیعت کی حقیقت کو جانتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے کیا تقاضے ہیں؟ بیعت کا اصل مغز یہ ہے کہ بیعت کنندہ کی شخصیت میں ایک واضح تبدیلی پیدا ہو اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو اور وہ زندگی کے مقصد کو جان کر اپنے آپ کو ایک قابل تعریف نمونہ بنا دے!"

نقد و نظر

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور جماعت احمدیہ لاہور

ناصر احمد بی۔اے۔ایل ایل بی

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ
اور نہ سست ہو اور نہ غمگین ہو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ (آل عمران: ۱۳۸)

آج حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو فوت ہوتے پورے ستاسی (87) سال ہو گئے ہیں۔ جہاں حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم و مغفور کی علمی اور تبلیغی کاوشوں سے اس تحریک نے مغرب میں اسلام کے روشن چہرہ کو روشناس کرایا ہے، وہاں مشرق میں اس تحریک کو دنیائے اسلام کی شدید ترین مخالفت کا سامنا ہے۔ اس مخالفت میں علماء تو پیش پیش تھے ہی۔ لیکن علامہ اقبال نے مخالفت کی اس رو کو جو رخ دیا۔ اس کے خطرناک نتائج آج ہم فرقہ وارانہ تشدد اور تعصب کے رنگ میں دیکھ رہے ہیں۔ اختلافی مسائل پر باہم کفر کے فتوے تو لگتے رہتے تھے اور بعض اوقات اس میں شدت بھی آ جاتی تھی لیکن اختلاف کی بنا پر کسی فرقہ کو حکومت کی مداخلت سے قانونی طور پر غیر مسلم نہیں قرار دیا گیا تھا۔ دنیائے اسلام میں ڈاکٹر اقبال وہ واحد مفکر اور مجتہد ہیں جنہوں نے ایک غیر مسلم حکومت کو پہلے تو یہ کہا کہ تحریک کو طاقت کے ذریعہ ختم کر دیا جائے۔ جس طرح رومن حکومت نے حضرت عیسیٰؑ کو راسخ العقیدہ یہودیوں سے اختلاف عقیدہ کی بنا پر صلیب دے دیا تھا۔ لیکن جب ڈاکٹر اقبال کے اس مطالبہ پر مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ نے اور ہندوؤں کے ایک معروف سیاسی لیڈر پنڈت جواہر لعل نہرو نے احتجاج کیا تو ڈاکٹر اقبال نے اپنا موقف بدل لیا اور کہا کہ میرا یہ مطلب نہ تھا کہ حکومت ان کو ختم کر دے بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ حکومت ان کو امت مسلمہ سے الگ ایک اقلیت قرار دے دے۔ ۱۹۷۴ء کا حکومتی فیصلہ ڈاکٹر اقبال کے ہی اس مطالبہ کی بازگشت ہے۔ فرقہ واریت میں تشدد کا موجودہ رجحان اور توہین رسالت کے سلسلہ میں سخت سے سخت سزا کا مطالبہ علامہ اقبال کے اس غیر ذمہ دارانہ رویہ کا نتیجہ ہے جو قادیانی احراری نزاع کے رد عمل کے طور پر انہوں نے اختیار کیا اور جس کا جواز قرآن مجید اور حدیث سے نہیں ملتا۔

اس سلسلہ میں سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ علامہ نے اپنے اس مطالبہ کی بنیاد قرآن مجید یا حدیث جو اسلام کے بنیادی ماخذ ہیں پر رکھنے کی بجائے یہودی فلسفی سپینوزہ کی مثال پر رکھی ہے۔ جس کے خیالات کے خلاف یہودیوں نے انتہائی مخالفت کی اور اسے ملحدانہ قرار دیتے ہوئے باغی قرار دے دیا گیا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے یوم وصال کے موقع پر علامہ اقبال کے ان بیانات کا ذکر کیوں آ گیا ہے جو انہوں نے ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں دیئے تھے۔ بات یوں ہوئی کہ گزشتہ ماہ اسلام آباد کے انگریزی کے روزنامہ "دی مسلم" نے اپنی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ اپریل کی اشاعتوں میں علامہ اقبال کے دوسرے بیان کو جو ۱۹۳۵ء میں "اسلام اور احمدازم" کے نام سے شائع ہوا تھا دوبارہ شائع کیا ہے۔ اس پر احباب کی طرف سے مرکز سے پوچھا گیا کہ کیا اس کے متعلق ہماری طرف سے کوئی جواب دیا گیا تھا۔ چنانچہ انہیں بتایا گیا کہ علامہ اقبال نے دو بیان شائع کئے تھے۔ پہلے کا نام The Qadianis and the Orthodox Muslims تھا۔ یہ بیان ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ اس کا جواب حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور نے دیا جو Dr.Iqbal's Statement re the Qadianis

کے نام سے شائع ہوا تھا۔ علامہ کا دوسرا بیان Islam and Ahmadism کے نام سے شائع ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس دوسرے بیان کا جواب نہ لکھا۔ شاید اس لیے کہ چونکہ حضرت مولانا کفرو اسلام، بانی تحریک احمدیت اور لاہور جماعت کے عقاید کے بارہ میں اصولی رنگ میں اپنے پہلے جواب میں بحث کر چکے تھے اسلئے انہوں نے اس دوسرے بیان کا کچھ نوٹس نہ لیا۔

البتہ ہمارے نہایت صاحب علم اور روشن دماغ مبلغ سید اختر حسین گیلانی صاحب نے اس دوسرے بیان کے تمام نکات کا بڑا مدلل، مسکت اور تفصیلی جواب دیا جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ جواب ستمبر ۱۹۴۴ء میں "تحریک احمدیت اور علامہ اقبال" کے نام سے شائع ہوا۔

اب جب کہ "دی مسلم" اخبار نے علامہ اقبال کے دوسرے بیان کو دوبارہ شائع کیا ہے، اسلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سلسلہ میں علامہ اقبال کے دونوں بیانات اور ان کے جوابات یکجا صورت میں مرتب کئے جائیں تاکہ ان کے پڑھنے سے ساری حقیقت حال عیاں ہو جائے۔ کیپٹن عبدالسلام صاحب نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے انگریزی میں جواب اور علامہ اقبال کے پہلے بیان کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ علامہ اقبال کے دوسرے بیان کا اردو میں ترجمہ خود علامہ کے معروف سوانح نگار سید نذیر نیازی کا کیا ہوا موجود ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کے جو تین مضامین کلکتہ کے "موڈرن ریویو" میں شائع ہوئے تھے۔ ان کو بھی حاصل کر لیا گیا ہے۔ ان کا بھی ترجمہ کروا لیا جائے گا۔

علامہ اقبال کے بیانات میں سے جو نکات ابھی جواب طلب ہیں یا ایسی واقعاتی شہادتیں تو بعد میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ ان پر محترم بشارت احمد بقا، صاحب کام کر رہے ہیں۔ یہ سارا مواد ایک دیباچہ کی شکل میں مجوزہ کتاب کے شروع میں لگا دیا جائے گا۔

ان بیانات کا تاریخی پس منظر کشمیر کمیٹی میں ڈاکٹر اقبال اور مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے اختلافات اور جماعت احرار کا کشمیر کی زرخیز وادی میں طبع آزمائی کے لیئے میدان میں اترنا تھا۔ علامہ اقبال اس عوامی شور و غوغا کی رو میں بہہ کر وہ کچھ کہہ گئے اور لکھ گئے جو بعد میں ان کیلئے ندامت اور مسلمانوں میں مستقل انتشار کا باعث ہوئے۔ کیا وجہ ہے کہ جب حضرت مولانا محمد علی صاحب، سید اختر حسین گیلانی اور ہمارے دوسرے بزرگوں نے ڈاکٹر اقبال کے بیانات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا تو ڈاکٹر صاحب نے مکمل خاموشی اختیار کر لی اور مرتے دم تک اس سلسلہ میں کوئی پبلک بیان نہ دیا۔ بلکہ نجی ملاقاتوں میں ایک رنگ میں ان بیانات کی تردید اور اصلاح ہی کرتے رہے۔

پیشتر اس کے کہ میں علامہ اقبال کے ۱۹۳۵ء کے بعد تحریک احمدیت بالخصوص لاہور جماعت کے عمائدین کے متعلق ان کی رائے کا ذکر کروں۔ کشمیر کمیٹی کا مختصر ذکر کرتا چلوں۔ یہ کمیٹی آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نام سے شملہ میں نواب ذوالفقار علی خان صاحب نواب مالیر کوٹلہ کی کوٹھی پر ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء میں وجود میں آئی۔ اس کے پہلے صدر مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور سیکرٹری عبدالرحیم درد صاحب تھے۔ اپریل ۱۹۳۳ء میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور علامہ اقبال اس کے صدر بن گئے۔ لیکن صرف دو ماہ بعد ہی علامہ اقبال نے بھی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ در حقیقت مجلس احرار کانگریس اور کشمیر کے راجہ کی ایما پر جدوجہد آزادی کشمیر کی تحریک کو ناکام بنانے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کیلئے میدان میں آئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب احرار نے قادیانی مسئلہ کھڑا کر کے مرزا محمود احمد صاحب کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ تو جلد ہی اس نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ علامہ اقبال کو بھی استعفیٰ دینا پڑا۔ ان تمام حالات اور واقعات کو ربوہ جماعت کے شیخ عبدالماجد صاحب نے "اقبال اور احمدیت" میں بڑی محنت، تحقیق اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب دستیاب ہے۔

بات علامہ اقبال کے ۱۹۳۵ء کے بعد کے بیانات کی ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ۱۹۳۵ء میں اس ضمن میں

ایک شہادت Dr. Iqbal's Statement re the Qadianis میں درج کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

"میں سر محمد اقبال کو اس واقعہ کا حوالہ دوں گا جو انہوں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے بیان کیا۔ جب میں اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ان کی عیادت کیلئے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بانی تحریک احمدیت سیالکوٹ میں تھے (سر محمد اقبال کو سنہ یاد نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ۱۹۰۴ء کی بات ہے) میاں فضل حسین صاحب (جو بعد میں سر ہو گئے) ان دنوں سیالکوٹ میں وکالت کرتے تھے۔ ایک دن میاں صاحب حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے جا رہے تھے، جب میں نے ان سے معلوم کیا کہ وہ مرزا صاحب کی طرف جا رہے ہیں۔ تو میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ بانی تحریک احمدیت سے گفتگو کے دوران میں جب فضل حسین صاحب نے سوال کیا کہ کیا آپ ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان نہیں لاتے کافر سمجھتے ہیں تو مرزا صاحب فی الفور بول اٹھے کہ ہرگز نہیں"۔

اسی طرح ہمارے نہایت محترم مبلغ سید اختر حسین گیلانی مرحوم جنہوں نے ستمبر ۱۹۴۴ء میں "تحریک احمدیت اور علامہ اقبال" کے نام سے ایک نہایت عالمانہ اور تفصیلی جواب ڈاکٹر اقبال کے ان بیانات کے متعلق تحریر کیا ہے اور گاہے بہ گاہے ڈاکٹر صاحب سے ملنے بھی جایا کرتے تھے۔ یکم جنوری ۱۹۳۸ء کی ایک ملاقات کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"مزید برآں یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو جب راقم الحروف ان سے ملنے گیا تو دوران گفتگو میں انہوں نے فرمایا مرزا محمود احمد کی غلطی ہے کہ مرزا صاحب کو مدعی نبوت قرار دیتا ہے اگر مرزا صاحب تسلسل نبوت کے قائل ہوتے تو انہیں ظل اور بروز کے الفاظ ساتھ لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" یہ بات یکم جنوری ۱۹۳۸ء کی ہے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال فوت ہو جاتے ہیں۔

اب آئیے ذرا علامہ اقبال کے بیانات میں تضاد اور غلط بیانیوں کا جائزہ لیا جائے۔ وقت چونکہ بہت کم ہے۔ میں صرف ان کے ووکنگ مشن کے متعلق غلط بیانی کو لیتا ہوں۔

اس بارے سید اختر حسین گیلانی کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

"علامہ اقبال کے جماعت احمدیہ لاہور اور ووکنگ مسلم مشن کے ساتھ نہایت اچھے روابط تھے۔ ووکنگ مسلم مشن میں بارہا خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں۔ لیکن قادیانی احراری نزاع سے آپ کی طبیعت اس قدر متاثر ہوئی کہ آپ اپنے سابقہ عمل کو بھی فراموش کر بیٹھے اور فرمایا۔

"روس نے بابی مذہب سے رواداری کا برتاؤ کیا اور انہیں عشق آباد میں اپنا پہلا تبلیغی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی۔ انگلستان نے احمدیوں کو ووکنگ میں اپنا پہلا تبلیغی مرکز قائم کرنے کی اجازت دے کر ایسی ہی رواداری سے کام لیا۔"

علامہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ بابیت یا بہائیت کا مقصد قرآن مجید کو منسوخ قرار دے کر جدید کتاب شریعت کی نشرو اشاعت کرنا ہے اور تحریک احمدیت خالص اسلامی تحریک ہے بلکہ اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ۔ اگر فروعات میں کہیں عوام کو اس سے اختلاف ہو تو الگ بات ہے ورنہ اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس کا مقصد قرآن مجید کی تبلیغ کرنا اور غیر مسلمین کو اسلام کا پیغام پہنچانا ہے نہ کہ مسلمانوں کو ارتداد پر آمادہ کرنا تا کہ وہ بابی تحریک سے مشابہ قرار دی جا سکے۔

علامہ نے تجاہل عارفانہ فرمایا ہے کہ ووکنگ میں اسلامی مشن قائم کرنے کی اجازت انگلستان نے دی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ووکنگ میں اسلامی مشن قائم کرنے کی اجازت انگلستان نے نہیں دی تھی بلکہ سرکار بھوپال نے دی تھی۔ لیکن چونکہ سرکار بھوپال کے علامہ پر بہت کچھ احسانات تھے اس لئے علامہ کو ان کا نام لینے کی تو ہمت نہ ہو سکی لیکن یہ افسوسناک مغالطہ دے دیا کہ یہ مشن انگریز کی مدد سے قائم ہوا ہے اور اس حقیقت پر پردہ ڈال گئے کہ ووکنگ مسجد کا نام ہی شاہجہاں مسجد ہے جو مرحومہ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کے اسم گرامی پر رکھا گیا تھا جنہوں نے اس کی تعمیر کے لئے گرانقدر عطیہ دیا تھا اور اب تک سرکار بھوپال ہی اس مسجد کی متولی ہیں۔ اگر یہ مسجد فرمانروائے دکن نے بنوائی ہوتی اور انہوں نے ہی قیام مشن کی

اجازت دی ہوتی تو خدا ہی جانتا ہے کہ علامہ کن شدید الفاظ میں ان کی ہجو کرتے۔ علامہ اقبال سرکار بھوپال کے اس لئے ممنون تھے کہ سر راس مسعود کے ایما پر وہاں سے آپ کو پانچ سو روپیہ ماہوار ملتا رہا اور دولت آصفیہ سے بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ وہاں ان کی تمنائیں پوری نہ ہوسکیں۔ جب علامہ کی زندگی میں یوم اقبال قائم ہوا تو سر اکبر حیدری مرحوم صدر اعظم دولت آصفیہ نے آپ کو ایک ہزار روپے کا چیک بھجوایا۔ علامہ کی توقعات اس سے بہت بلند تھیں۔ لہٰذا یہ حقیر رقم ان کی نظر میں نہ بچی۔ اتفاق سے راقم الحروف (یعنی سید اختر حسین گیلانی) اس دن علامہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے سر اکبر حیدری کے نام اپنی جرمن خادمہ سے جواب لکھوایا جو اس نے میرے سامنے پڑھ کر سنایا اور علامہ نے ضروری تصحیح کے بعد اس پر دستخط ثبت کئے۔ اس خط میں علامہ نے ایک ہزار واپس کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ یوم اقبال کا یہ مقصد نہیں کہ میں چندہ جمع کر رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو یہ رقم اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامی تحقیقات کے شعبہ کے لئے بھجوا دیں جسے میں نے تجویز کیا ہے۔ لیکن اس دوستانہ خط کے بعد علامہ نے سر اکبر حیدری کی ایک خطرناک ہجو لکھی جو "ارمغان حجاز" میں موجود ہے جہاں روپیہ واپس کرنے کا عذر پیش کیا گیا ہے کہ میں زکوۃ کھانے والا نہیں ہوں۔ راقم الحروف نے اسی دن جب کہ سر اکبر حیدری کو یہ خط لکھا جا رہا تھا علامہ سے کہا کہ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ یوم اقبال پر میں کسی کا تحفہ وصول نہیں کرتا لیکن دوسری طرف اتحاد پارٹی نے جو مربع جات آپ کو دتے ہیں وہ آپ نے لے لئے ہیں۔ علامہ نے فرمایا کہ وہ مربع جات میرے بیٹے جاوید اقبال کو دتے گئے ہیں ____ مگر ہر انصاف پسند شخص جانتا ہے کہ یہ محض ایک حیلہ ہے۔ سر اکبر حیدری کی تو ہجو ہوئی لیکن سر راس مسعود کی وفات پر علامہ نے ایک طویل اور دردناک نظم میں ان کا نوحہ کیا۔ سرکار بھوپال کے یہی احسانات تھے جن کی بدولت علامہ نے ان کا نام ووکنگ مشن کے قیام کے سلسلہ میں نہیں لیا۔"

سید اختر حسین گیلانی کے اس ذرہ لمبے تبصرہ سے آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ علامہ اقبال میں ایک مجتہد اور مفکر کی سی گہرائی اور پختگی نظر نہیں آتی۔ وہ اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لئے غلط بیانی اور الزام تراشی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ ووکنگ مشن ایک ٹرسٹ کے تحت چلتا تھا جس میں مسلمانوں کے چوٹی کے لوگ ٹرسٹی تھے۔ مثال کے طور پر سر عباس علی بیگ۔ سر میاں محمد شفیع۔ مشیر حسین قدوائی۔ میجر شمس الدین خارجہ سیکرٹری، ریاست بہاولپور۔ حکیم اجمل خاں کے بیٹے حکیم محمد جمیل احمد خاں۔ عزت مآب لارڈ ہیڈلے الفاروق، ریاست مانگرول کے نواب کے بیٹے خاں صاحب بدرالدین صاحب خانصاحب۔ سعادت علی خاں، سیکرٹری انجمن اسلامیہ لاہور وغیرہ۔

علامہ اقبال اچھی طرح جانتے تھے کہ لاہور جماعت کے مبلغین اور امداد سے یہ مشن چل رہا تھا۔ پھر یہ کہنا کہ حکومت انگلستان کی اس مشن کو حمایت حاصل تھی کس قدر غلط اور خلاف واقع بیان ہے ووکنگ مسلم مشن سے ڈاکٹر اقبال کا کتنا گہرا تعلق رہا اس کا کچھ اندازہ آپ کو علامہ کی اس تقریر سے ہو جاتے گا جو انہوں نے احمدیہ بلڈنگس، لاہور میں لارڈ ہیڈلے کے استقبالیہ اجلاس میں دسمبر ۱۹۲۷ء کو کی۔

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے بعد ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال صاحب کھڑے ہوتے انہوں نے فرمایا:-

کچھ عرصہ ہوا میں نے یورپ کے متعلق لکھا تھا

مکدر کرد یورپ چشمہ ہائے علم و عرفان را

یعنی یورپ نے چشمہ ہائے علم و عرفان کو گدلا کر دیا ہے خیر کہتے ہیں شاعری جزوے است از پیغمبری۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دوست خواجہ صاحب اور ان کے ہم خیالوں کی کوششوں سے یورپ کے ان چشموں کو اسلام کے ذریعہ سے پھر صاف اور پاکیزہ بنا دے۔ اب کم از کم وقت آگیا ہے کہ یورپ یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اس کی نجات اسلام اور صرف اسلام ہی میں ہے۔ وہ تحریک جو ۱۴۰۰ء میں شروع ہوئی اور جس کی وجہ سے یورپ نے نام نہاد تہذیب میں بہت سی ترقیاں حاصل کیں آج

اس کی غیر موزونیت کو خود اہل یورپ نے ثابت کر دیا ہے۔ مغربی تہذیب کی بنیادیں متزلزل ہو چکی ہیں۔ گذشتہ دو صدیوں میں وہ دنیا میں قیام امن کے لئے کوشاں رہا ہے۔ لیکن اسے سخت ناکامی کا سامنا ہوا ہے۔ اس کی سلامتی کا انحصار اب محض اسلام پر ہے اور ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ آج ہم برٹش نوبیلٹی کے ایک فرد کو اپنے اندر دیکھتے ہیں۔ ایک طرف برٹش نوبلٹی کا فرد ہے۔ دوسری طرف (خواجہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے) ہم میں سے ایک غریب آدمی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے بالمقابل جو چاروں طرف سے ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اکٹھے ہو جانا چاہیئے ہمارے اپنے ملک میں ایک طرف ہندو ہمارے دشمن ہیں جو اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے نیست و نابود کر دیا جائے اور کہ مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہندوستان میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ بے وقوف ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں ان کو دھوکا لگا ہوا ہے اسلام کو کبھی ہندوستان سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ وہ صدیوں تک ہندوستان پر حکمران رہا ہے اور ہندوستانیوں کے قلوب پر اس کی حکومت ہمیشہ قائم رہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ ایک اندرونی خطرہ بھی اس وقت مسلمانوں کو درپیش ہے۔ ایک گروہ ہم میں سے پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی جداگانہ ہستی ہندوستان میں نہیں ہے۔ ایسے لوگ اپنے ہاتھ سے اسلام کو تباہ کر رہے ہیں۔ اسلام کی اس ملک میں جداگانہ ہستی ہے۔ اسلام ارادہ کر چکا ہے کہ اس کی جداگانہ ہستی اس ملک میں رہے گی۔ اسلام کبھی مغلوب نہ ہو گا۔۔۔ اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ (کسی نے اس موقعہ پر اعتراض کیا کہ کیا انگریزوں کی غلامی میں رہ کر غالب رہے گا۔ اس کے جواب میں سر اقبال نے کہا) آپ کو معلوم نہیں آج تاتاریوں کی مثال زندہ ہو رہی ہے وہی قوم جس کے ہم محکوم ہیں۔ خود مسلمان ہو جائے گی جس کا ایک زندہ ثبوت لارڈ ہیڈلے ہم میں موجود ہیں اسلام کی قوتیں محدود نہیں ہیں۔ ایک وقت تلوار کا تھا۔ آج قلم کا زمانہ ہے۔ (چیرز) یہ اندر سے بھی گھستا ہے اور باہر سے بھی اور ہر طرح سے اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کل مجھے مولوی ظفر علی خاں صاحب کی (جو اپنی تقریر کے بعد جلسہ سے چلے گئے تھے) تقریر پڑھ کر بڑا افسوس ہوا۔ میں نے ان کو جاتے ہوتے کہا تھا کہ ذرا ٹھہر جائیں لیکن وہ ٹھہرے نہیں ان کی وہ تقریر بہت ہی افسوس ناک ہے اس کی ان سے توقع نہ تھی۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اپنے دوست مولوی محمد علی صاحب کی تجویز کی تائید کرتا ہوں۔"

اس اجلاس میں سر میاں محمد شفیع اور دیگر مقتدر مسلمانوں نے تقاریر کیں۔ اب اس مشن کے بارے میں علامہ کا ۱۹۳۵ء میں یہ کہنا کہ اس مرکز کو قائم کرنے میں حکومت برطانیہ نے مدد دی تھی کتنا حقیقت پر مبنی ہے اس کا آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ایک بانی پاکستان ہے جس نے پاکستان مسلم لیگ کے اجلاس میں جب مولانا عبدالحامد بدایونی کا صرف یہ ریزولیوشن نہ پیش ہونے دیا کہ احمدیوں کو مسلم لیگ کا ممبر نہ بنایا جائے۔ ایک مصور پاکستان ہیں جو ایک غیر مسلم حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ عقاید کے اختلاف کی بنا پر ایک جماعت کو طاقت کے ذریعہ ختم کر دیا جائے اور جب ہر طرف سے اس مطالبہ پر لعن طعن ہوئی تو پھر یہ موقف اختیار کیا کہ اس جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ایک دانشمندانہ اقدام نے مسلمانوں کو بالآخر پاکستان جیسی نعمت عظمیٰ دلائی۔ اس کے مقابل پر علامہ اقبال نے مجلس احرار کے ہاتھوں کٹ پتلی بن کر مذہبی اختلاف کو سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کرنے کی راہ دکھائی اور یہی وجہ ہے کہ بانی پاکستان کی وفات کے صرف ۵ سال بعد اسی روش نے ملک میں پہلا مارشل لاء لگوایا اور یہیں سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا نقطہ آغاز ہوتا ہے اور آج اس روش نے ملک کو انتہائی خطرناک فرقہ وارانہ چپقلش اور محاذ آرائی کے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔

اس موقع پر مجھے حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق وہ دلچسپ لیکن انتہائی سبق آموز کہانی یاد آرہی ہے کہ کسی کیچڑ والی

جگہ سے حضرت امام ابو حنیفہ اور ایک بچہ گذر رہے تھے حضرت امام نے کہا بچے دیکھنا کہیں پھسل نہ جانا۔ بچے نے برجستہ جواب دیا کہ میں اگر پھسل گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر آپ پھسل گئے تو پوری قوم کو نقصان پہنچے گا۔

علامہ اقبال کے ۱۹۳۵ء کے بیانات نے مسلمانوں میں مستقل انتشار کی بنیاد رکھ دی۔ کشمیر کمیٹی میں قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب سے اختلاف اور وائسرے کونسل میں ان کی بجائے سر چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کے انتخاب نے علامہ کو اتنا برانگیختہ کر دیا کہ انہوں نے اپنا سارا علم، فلسفہ اور زور قلم صرف بانی سلسلہ احمدیہ اور ان کی جماعت کو سرے سے نابود کرنے پر خرچ کر دیا خواہ اس کے لئے ان کو غلط بیانی، غلط استدلال، قرآن مجید اور احادیث کے خلاف ہی کیوں نہ جانا پڑا۔ آنکھیں بند کرنے سے حقائق تو بدل نہیں سکتے۔ آج دنیا میں پاکستان کے حوالے سے اسلامی رواداری اور انسانی حقوق کا جو مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ کسی طرح بھی اسلام کے شایان شان نہیں۔

علامہ کا بیان "اسلام اور احمدازم" فلسفہ، مذہب اور منطق کی متعدد تضادات سے بھرا پڑا ہے۔ محترم سید اختر حسین گیلانی صاحب نے ان تضادات کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے احباب اس کتابچہ کو پڑھیں گے تو لطف اٹھائیں گے اور ان کو اس بات کا بھی احساس ہو گا کہ ہمارے بزرگوں اور مبلغین نے ہر موضوع اور اعتراض کا جواب کتنی عمدگی سے علمی اور فلسفیانہ رنگ میں دیا ہے۔ یہ علم کا خزانہ ہے جس کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔

علامہ اقبال کے آلہ آباد کے خطبہ صدارت کے حوالے سے میں ان کے خیالات میں تضاد کی ایک اور مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک علامہ اقبال آلہ آباد میں مسلمانوں کے اتفاق اور اتحاد کے علم بردار نظر آتے ہیں اور ایک علامہ اقبال "اسلام اور احمدازم" میں ہیں جو مذہبی اختلاف اور غیر رواداری کی روش کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں الہ آباد میں خطبہ صدارت کے آخر میں علامہ فرماتے ہیں:-

"مسلمانان ہند اس وقت اپنی زندگی کے جس نازک دور سے گذر رہے ہیں اس کے لئے کامل تنظیم اور اتحاد عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے۔۔۔ چونکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت ایک ہی ملک میں سات کروڑ مسلمانوں کی موجودگی اسلام کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ہے لہذا ہمیں چاہیئے کہ ہم ہندوستان کے مسلئے پر محض زاویہ نگاہ سے ہی نہیں بلکہ ہندی مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بھی غور کریں۔۔۔ ہماری بے نظم اور منتشر حالت کے باعث بہت سے ایسے سیاسی مصالح جو ہماری زندگی کے لئے ناگزیر ہیں وہ دن بدن پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ میں فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیے سے ملبوس نہیں ہوں لیکن میں آپ سے اپنے اس احساس کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا کہ موجودہ نازک حالات کے تدارک کے لئے ہماری ملت کو مستقبل قریب ہی میں آزادانہ جدوجہد کرنا پڑے گی۔۔۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم لوگوں کے اندر بھی وہ اشتراک عزم پیدا ہو جائے جس کا از خود نشوونما ہوتا ہے! کیوں نہیں۔ فرقہ بندی کی ہوس اور نفسیانیت کی قیود سے آزاد ہو جایں اور پھر اس نصب العین کی روشنی میں جو آپ کی طرف منسوب ہے اپنے انفرادی اور اجتماعی اعمال کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجیئے خواہ وہ مادی اغراض سے متعلق کیوں نہ ہوں۔ مادیات سے گذر کر روحانیات میں قدم رکھئے۔ مادہ کثرت ہے لیکن روح نور ہے۔ حیات ہے۔ وحدت ہے قرآن مجید کی ایک نہایت معنی خیز آیت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ایک پورے ملک کی موت و حیات کا سوال ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس واحد کا۔ پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمان جو بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ ہمیں تھے جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند اور ارفع تصور پر عمل پیرا ہوتے۔ ایک واحد کی طرح زندہ رہیں۔"

خدا کرے امت مسلمہ اسلام کی اس وحدت اور برادری کے تصور اور اس کے عملی مقتضیات کو یقین کا روپ دھار لیں۔ تحریک احمدیت لاہور کا اس بارے میں موقف بڑا صحیح اور واضح ہے۔ مغرب میں اسی حوالے سے یہ جماعت اور اس کے مبلغین اور اس کی کتب اسلام کے روشن چہرہ کو پیش کرنے میں کوشاں ہیں۔

تبصرہ

قسط نمبر ۴

علامہ سر محمد اقبال مرحوم اور تحریک احمدیت

(Qadiani problem and position of Lahore Group by Dr. Mahmooad A. Ghazi, published by Islamic Book Foundation, Faisal Masjid, P.O.Box 1453, Islamabad, 1991)

ڈاکٹر غازی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ ڈاکٹر اقبال پہلے شخص ہیں جنہوں نے تحریک احمدیت کو ایسی ایک سیاسی جماعت قرار دیا جو مذہبی لبادے میں انگریزی امپریلزم کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیئے ظہور پذیر ہوئی۔ علامہ صاحب کا یہ ارشاد کوئی صحیفہ آسمانی نہ تھا جسے غازی صاحب نے اپنے ایمان کا حصہ بنالیا ہے۔ علامہ صاحب کا تحریک احمدیت کے بارے میں چالیس سالہ ذاتی مشاہدے اور احمدیت کے اندرونی اور بیرونی تمام حالات سے اچھی طرح باخبر ہونے کے باوجود اچانک اپنے رویے میں قلہ بازی کھانا بڑا حیرت انگیز اور انتہائی افسوسناک تھا اور یہ بات ان کے منہ کو ہرگز نہ جچتی تھی۔ کیونکہ وہ خود ساری عمر انگریزی امپریلزم کے تن من دھن سے حامی و ناصر رہے اور ۱۹۳۵ء کی ابتدا میں وہ یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ سر فضل حسین کی معیاد رکنیت ختم ہوتے ہی وہ ان کی جگہ وائسرائے کونسل کے رکن مقرر ہو جائینگے۔ کیا وائسرائے کونسل انگریزی امپریلزم کا ایک اہم ادارہ نہ تھا۔ جب ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی بلکہ ان کی بجائے سر ظفر اللہ خان قادیانی کو لے لیا گیا۔ تو علامہ صاحب کو فی الفور احمدیت اسلام اور مسلمان دشمن نظر آنے لگ گئی ادھر چوہدری ظفر اللہ وائسرائے کونسل کے ممبر بن گئے اور ادھر علامہ صاحب کے دل میں اسلام اور ہندی مسلمانوں کے مفاد کا غم جاگ اٹھا۔ جنگ عظیم اول کے دوران پنجاب سے دو لاکھ رنگروٹوں کی انگریزی فوج میں بھرتی کا ریزولیشن منظور کرانے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا کوئی مرید شامل نہیں تھا۔ بلکہ خود علامہ صاحب کی ذات پیش پیش تھی۔ اور اب ڈاکٹر غازی نے مجبور کر دیا ہے کہ علامہ کی انگریز نوازی کا ایک نادر نمونہ بصورت نظم قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ یہ دراصل شہنشاہ جارج پنجم کی شان میں ایک قصیدہ تھا۔

اے تاجدار خطہ جنت نشان ہند
روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند
محکم تیرے قلم سے نظام جہان ہند
تیغ جگر شگاف تری پاسبان ہند
ہنگامہ وغا میں میرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو
تلوار تیری دہر میں نقاد خیر و شر
بہروز جنگ توز جگر سوز سینہ ور
جرات تری سپاہ کا سرمایہ ظفر
آزادہ پرکشادہ پری زاد یم سپر
سطوت سے تیری پختہ جہاں کا نظام ہے
ذرے کا آفتاب سے اونچا مقام ہے
آزادی زبان و قلم ہے اگر یہاں
سامان صلح دیر و حرم ہے اگر یہاں

تہذیب ، کاروبار اہم ہے اگر یہاں
خنجر میں تاب، تیغ میں دم ہے اگر یہاں
جو کچھ بھی ہے عطائے شہ محترم سے ہے
آباد یہ دیار ترے دم قدم سے ہے
وقت آ گیا کہ گرم ہو میدان کار زار
پنجاب ہے مخاطب پیغام شہریار
اہل وفا کے جوہر پنہاں ہوں آشکار
معمور ہو سپاہ سے پہنائے روزگار
تاجر کا زر ہو اور سپاہی کا زور ہو
غالب جہاں میں سطوت شاہی کا زور ہو
دیکھے ہیں میں نے سینکڑوں ہنگامہ۔ نبرد
صدیوں رہا ہوں میں اسی وادی کا راہ نورد
طفل صغیر بھی میرے جنگ گاہ میں ہیں مرد
ہوتے ہیں ان کے سامنے شیروں کے رنگ زرد
میں نخل ہوں وفا کا محبت ہے پھل میرا
اس قول پر ہے شاہد عادل عمل میرا
ہندوستاں کی تیغ ہے فتاح ہشت باب
خونخوار لالہ یار جگردار برق تاب
بے باک، تابناک، گہر پاک بے حجاب
دلبند، ارجمند، سحرمند، سیم تاب
یہ تیغ دلنواز اگر بے نیام ہو
دشمن کا سر ہو اور نہ سودائے خام ہو
اہل وفا کا کام ہے دنیا میں سوز و ساز
بے نور ہے وہ شمع جو ہوتی نہیں گداز
پردے میں موت کے ہے پنہاں زندگی کا راز
سرمایہ حقیقت کبریٰ ہے یہ مجاز
سمجھو تو موت ایک مقام حیات ہے
قوموں کے واسطے یہ پیام حیات ہے
اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض
خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض
عہد و وفا و مہر و محبت بھی بے غرض
تخت شہنشاہی سے عقیدت بھی بے غرض
لیکن خیال فطرت انساں ضرور ہے
ہندوستاں یہ لطف نمایاں ضرور ہے

علامہ نے یہ نظم پنجاب یونیورسٹی ہال لاہور میں ترنم سے پڑھی۔ پھر یہ اخبار "حق" لاہور اور رسالہ "زمانہ" کانپور میں شائع ہوئی۔ میں گذشتہ اوراق میں مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں کہ جملہ نامی گرامی علماء، زعما اور مسلم مشاہیر انگریزی امپریلزم کے حامی و ناصر تھے اور انگریزی حکومت کی اطاعت اور اس سے وفاداری اپنا دینی فرض سمجھتے تھے۔ ان میں علامہ صاحب بھی پورے اخلاص و محبت بے غرض کے ساتھ شامل تھے ان کے ۱۹۳۵ء میں احراریوں اور دوسرے تنگ نظر ملانوں کے دباؤ میں آکر اور احساس محرومی کے باعث تحریک احمدیت کے خلاف بیانات جاری کر دینے سے اتنا نقصان ہماری تحریک کو نہیں پہنچا۔ جتنا ان کی اپنی ذات کو پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ذی وقار مسلم شخصیت نے ان کے ان بیانات کو سنجیدہ نہ خیال کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر غازی نے علامہ کے ان تمام بیانات کو جو مئی ۱۹۳۵ء میں انہوں نے دیے تھے بنظر غائر کبھی نہیں پڑھا اور اگر وہ پڑھتے تو انہیں ان بیانات میں خدا تعالیٰ کے روحانی اور اخلاقی نظام ربوبیت کے خلاف کھلی بغاوت کی بو ضرور آ جاتی۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے سربراہ حضرت مولانا محمد علی اور مولانا سید اختر حسین گیلانی مرحوم و مغفور نے اسی زمانہ میں علامہ صاحب کے جملہ بیانات کا نہایت محققانہ تجزیہ پبلک کے سامنے پیش کر دیا تھا اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس لٹریچر کی

دوبارہ اشاعت کر دی جائے۔ تا کہ معاندین سلسلہ احمدیہ یکطرفہ طور جو زہریلا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کا مؤثر سدباب کیا جا سکے۔

لیکن یہ بات قارئین کے لیئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ انگریز نوازی، اس کی خیر خواہی اور اس سے پر خلوص وفاداری کے صلہ میں علامہ صاحب کو سر کا خطاب عطا ہوا اور ان کے استاد مکرم مولانا سید میر حسن صاحب کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا اور اس پر مسلمانوں میں شدید رد عمل ہوا اس کا مختصر خاکہ کچھ یوں ہے۔

مولانا عبدالمجید سالک نے کہا۔

پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو تاج کے سر ہو گے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

مولانا ظفر علی خان نے اس خطاب یافتگی پر یوں خامہ فرمائی کی:

سرفروشوں کے ہیں ہم سر آپ ہیں سرکار کے
آپ کا منصب ہے سرکاری، ہمارا خانگی
عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا
اور اس میں مستتر ہے آپ کی فرزانگی
مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی

علامہ صاحب نے پنجاب کونسل کا ممبر بننے کے بعد جو انگریز نوازی کا اظہار کیا اس پر مولانا محمد علی جوہر نے بڑی کڑی تنقید کی جو ان کے رسالے ہمدرد ۱۹۲۶ء اور ۲۱ اگست ۱۹۲۷ کے شماروں میں چھپی۔ حیرت ہے آج کے ڈاکٹر غازی علامہ کو انگریزی امپریلزم کا مخالف اور دشمن ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور صرف سلسلہ احمدیہ کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ کیا اسلامی عدل اسی کا نام ہے۔

علامہ صاحب کے سامنے حضرت مرزا صاحب کا سارا زمانہ ماموریت گذرا تھا ان سے شرف ملاقات بھی حاصل ہوتا رہا۔ علامہ صاحب کے والد بھی حضرت ممدوح کی بیعت کرنیوالے السابقون میں سے تھے پھر ان کے بڑے بھائی بھی پرانے بیعت کنندگان میں سے تھے۔ ان کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کٹر قادیانی تھے اور بعض ثقہ شہادتوں کی بنا پر علامہ صاحب نے بھی ۱۸۹۷ء میں حضرت مرزا صاحب کی بیعت قادیان جا کر کی تھی۔ علامہ صاحب نے حضرت مولانا نورالدین خلیفہ اول کا زمانہ بھی دیکھا اور جماعت احمدیہ کے افراد کی جو اخلاقی اور روحانی حالت تھی اس سے بھی بخوبی باخبر تھے چنانچہ مسلم کالج علی گڑھ میں ۱۹۱۱ء میں ایک بہت بڑے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر ذات نے ڈالا ہے۔ ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد ہونا چاہیئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں" (ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر)۔

علامہ صاحب کے مخاطب سب کے سب اعلٰے تعلیم یافتہ مسلمان تھے۔ کسی شخص نے علامہ کی تقریر کے اس حصہ پر انگلی نہ اٹھائی کیونکہ اس زمانہ میں احمدیت کے بارے میں تعلیم یافتہ مسلمان بہت اچھی رائے رکھتے تھے اور علامہ نے بھی یہ رائے پورے انشراح صدر سے ظاہر فرمائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ نے اپنے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کو سکاچ مشن اسکول، سیالکوٹ سے اٹھا کر قادیان تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل کرا دیا جہاں اس نے چار پانچ سال گذارے۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اپریل ۱۹۳۵ء تک علامہ صاحب کے تعلقات جماعت احمدیہ کے دونوں فریقوں سے نہایت دوستانہ تھے۔ مئی ۱۹۳۵ء میں راتوں رات ان کے خیالات میں جو انقلاب آ گیا وہ کسی آسمانی آواز کا نتیجہ نہ تھا میں اس تبدیلی کی وجوہات میں جانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میرے پیش نظر صرف ڈاکٹر غازی

کے اعتراضات کا جواب دینا ہے۔ غازی صاحب نے جنوبی افریقہ کی عدالت عظمٰی میں جو بیان دیا تھا۔ اس کے حوالہ سے چیف جسٹس نے اپنے فیصلہ میں لکھا۔

"Gazi's evidence was that Mirza's claim to be the Promised Messiah puts his followers out of the fold of Islam because it involves a denial of the second coming of Jesus. That involves a rejection of many reliable Ahadith on the topic."

ترجمہ:- غازی کی گواہی یہ تھی۔ کہ مرزا کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اس کے پیروکاروں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے مسیح کی آمد ثانی کا انکار لازم آتا ہے۔ اس سے بیشتر مستند احادیث جو اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں، مسترد ہو جاتی ہیں۔"

اب علامہ صاحب مرحوم کے اسی بیان کا جس کے حوالہ سے جماعت احمدیہ ایک سیاسی تحریک قرار پائی یہ حصہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ نے لکھا۔

"حتیٰ کہ "مسیح موعود" کا محاورہ بھی مسلمانوں کے دینی شعور کا نتیجہ نہیں۔ یہ ایک "غیر صالح" اصطلاح ہے جس کی بنیاد اسلام سے قبل مجوسی افکار میں ملتی ہے۔ اس کا وجود ہمیں اسلام کی ابتدائی دینی اور تاریخی ادبیات میں نہیں ملتا اور اس عظیم الشان حقیقت کی وضاحت پروفیسر ونسنگ کی ‹‹المعجم الفہرس لالفاظ الحدیث النبوی›› سے ہوتی ہے۔ جو گیارہ کتب حدیث اور تین قدیم ترین اسلامی کتب تاریخ پر مشتمل ہے۔"

علامہ سر محمد اقبال صاحب کو ابن مریم کے نزول ثانی کے عقیدہ کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے لیئے قرون اولیٰ کے علماء کی بجائے ایک عیسائی مستشرق کی تحریر کا سہارا لینا پڑا اور ارشاد ہوا کہ اس عقیدہ کی بنیاد مجوسی افکار میں ملتی ہے اور یہ کہ مسیح موعود کا محاورہ مسلمانوں کے دینی شعور کا نتیجہ نہیں۔ سبحان اللہ کیا شاندار اور علم افروز فلسفہ ہے۔ گویا انبیاء کی پیشگوئیاں امتوں کے دینی شعور کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں اور ان کا سرچشمہ خدا تعالیٰ کی ذات نہیں ہوتی۔ علامہ صاحب کا اخلاقی فرض تھا کہ اپنے اس مفروضہؔ کو علماء اسلام اور احادیث نبوی سے مبرہن کرتے۔ مگر انہوں نے کیا تو صرف یہ کہ احادیث نبوی بالخصوص اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کو پایہ ثقاہت سے گرا کے رکھ دیا اور جامعین احادیث اور جملہ علماء ربانی کی امانت و دیانت کو مخدوش قرار دیدیا۔ یہ موضوع الگ بحث کا متقاضی ہے۔ اس وقت میرا جناب غازی صاحب سے یہ سوال ہے کہ احمدی تو نزول مسیح ابن مریم کی صرف تاویل کے باعث دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں حالانکہ وہ ان جملہ احادیث کو درست اور مرفوع مانتے ہیں۔ لیکن علامہ اقبال اور ان کے وہ تمام شاگرد جو ان احادیث کو بنیادی طور پر وضعی قرار دیتے ہیں کس زمرہ میں آتے ہیں۔ کیا وہ منکر احادیث ہونے کے باعث دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتے؟ غازی صاحب جرات مومنانہ کا مظاہرہ کرتے ہوتے تکفیر کا کلہاڑا اسی طرح اپنے روحانی پیر حضرت علامہؒ پر چلا کر دکھائیں جس طرح احمدیوں پر چلایا ہے۔ مگر وہ اتنی جرات کے ہرگز مالک نہیں۔ وہ تو صرف مخالفت احمدیت پر ادھار کھاتے بیٹھے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا بنی اسرائیل میں ایلیا نبی بذات خود دوبارہ آیا۔ یا ان کی خوبو پر حضرت یحییٰ علیہ السلام تشریف لاتے اور کیا ایلیا نبی کی دوبارہ آمد کے بارے میں پیشگوئی کی حضرت مسیح ابن مریم نے تاویل نہ کی تھی۔ جسے یہودیوں نے آج تک تسلیم نہیں کیا۔ اگر ابن مریم کے نزول ثانی کی صحیح تاویل اور تشریح جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمائی علماء اور جمہور مسلمانوں نے تسلیم نہیں کی تو پھر وہ خود فیصلہ کرلیں کہ اپنی ضد پر اڑا رہنے سے انہوں نے کس کا وطیرہ اپنایا

ہوا ہے۔

جماعت احمدیہ لاہور کے بزرگ علامہ اقبال کی خداداد ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظران سے بڑی امیدیں لگاتے ہوتے تھے کہ ایک دن یہ نابغہ روز گار بن کر اسلام کو چار چاند لگادے گا۔ چنانچہ اسی پاک جذبہ کے تحت حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بانی مسلم مشن اینڈ لٹریری ٹرسٹ، ووکنگ، انگلستان نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۹۱۱ء میں علامہ کی موجودگی میں انہیں مخاطب کر کے کہا تھا:

"کہاں ہے تو ڈاکٹر اقبال! خدا تعالیٰ تجھے دین و دنیا میں با اقبال کرے۔ تیرے نادر قویٰ ذہنی ابھی دنیا کی نظر سے چھپے ہوتے ہیں۔ تجھ میں وہ ذہنی قابلیتیں اور استعدادیں ہیں کہ ان کا ٹھیک استعمال بقائے دوام کا تاج تیرے سر پر رکھ سکتا ہے۔ لیکن یہ خاص الخاص قویٰ تجھے اس لیئے عطا نہیں ہوتے کہ تو فی وادیھیمون کے مصداق بن کر ایک بے ثمر باغ میں جس کا نام مشاعرہ ہے، گلگشت کرے۔ اب وقت ہے اٹھ اور حقیقی تلمیذ الرحمن بن! عالم سفلی کو چھوڑ اور طائر قدس ہو جا! تجھے اگر مغربی حکمت و فلسفہ انہوں نے سکھا کر ڈاکٹر کا خطاب دیا تو یہ قرضہ ترانوں اور نغموں سے ادا نہیں ہو سکتا اس کا معاوضہ یہ ہے کہ تو قرآن کو کھولے اور اس کے دریائے حقیقت میں غوطہ لگائے۔ دیکھ یورپ کیا اور اس کا فلسفہ کیا ہے! اور بیرسٹر اقبال! آ میرے ساتھ وکالت میں شامل ہو اور ہم بحیثیت منصبی اس مال مسروقہ کو اپنے گھر کا مال مسروقہ ثابت کریں۔ تجھے خدا تعالیٰ نے بے نظیر قابلیتیں اس لیئے نہیں دیں کہ تو لفظی موشگافی میں پڑے اور اپنے شعروں سے ہمیں خوش کرے۔ تیرے گانے کا یہ وقت نہیں یہ عملی کام کا وقت ہے وہ ہار جو قوم تیرے گلے میں عملاً ڈال رہی ہے اور تو اس کا حقیقی طور پر مستحق ہے وہ ان گلہائے فردوس بریں کے مقابل کیا حقیقت رکھتے ہیں جو خدمت قرآن تیرے لیئے وقف کر سکتی ہے قوم تجھے ملک الشعراء بنانا چاہتی ہے اور وہ ایسا کرنے میں غلطی پر ہے اور تو پست ہمت ہو گا۔ اگر اس پر قانع ہوا۔ میں تجھ میں رازی اور غزالی کا بروز دیکھنا چاہتا ہوں" (زندہ رود حصہ دوم صفحہ ۱۵۲)۔

مگر علامہ صاحب عمر بھر پست ہمت رہے اور بحیثیت شاعر موسموں کی طرح بدلتے رہے اور خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار نہ لا سکے اور اپنے پیچھے جو شعری ورثہ چھوڑ گئے وہ تضادات کا سلسلہ لا متناہی ہے اور اسلام کی کسی ٹھوس خدمت سے محروم دنیا سے اٹھ گئے اپنی اس کوتاہی کا انہوں نے خود اپنے ایک مکتوب میں اعتراف بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو خط نمبر ۴۲ در مظلوم اقبال ص ۸۲ - ۲۸۱ علامہ صاحب ساری عمر اپنے اس شعر کے مصداق رہے۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا تو یہ غازی بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

علامہ صاحب کی تضاد بیانی کا ایک حیرت انگیز اور نادر نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ علامہ صاحب ہی دراصل خالق تصور پاکستان ہیں اور اس ادعا کے ثبوت میں ان کا خطبہ صدارت مسلم لیگ ۱۹۳۰ء پیش کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی تاریخی طور پر خلاف واقعہ بات ہے جس پر الگ مضمون میں انشاء اللہ گفتگو کی جائے گی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں پنجاب کے دوسرے مسلمان لیڈر کھلم کھلا پاکستان کے تصور کے مخالف رہے وہاں علامہ نے اپنے ہی مزعومہ پیش کردہ تصور کی درپردہ مخالفت کی۔ اس خفیہ مخالفت کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ ۱۹۳۵ء میں علامہ کے ایک دوست ڈاکٹر ایڈورڈ ٹامسن کوشش کر رہے تھے کہ ان کا انتخاب آکسفورڈ یونیورسٹی میں رہوڈس کی لیکچراری پر ہو جائے۔ تو علامہ نے ان سے مندرجہ ذیل خیال کا اظہار کیا تھا:

(۱) "پاکستان کی اسکیم حکومت برطانیہ کے لیئے تباہ کن ہوگی"
(۲) ہندو قوم کے لیئے تباہ کن ہوگی۔
(۳) مسلم قوم کے لیئے تباہ کن ہوگی"

ایڈورڈ ٹامسن کی کتاب Enlist India for freedom (ہندوستان کو آزادی کیلئے اپنا شریک کار بنائیے) ص ۷۵ مطبوعہ لندن ۱۹۴۰۔ بحوالہ کتاب خدوخال اقبال ص ۱۵۹ مصنفہ محمد امین زبیری مرحوم۔ ناطقہ سربگریباں اسے کیا کہئے؟ اپنے اشعار میں مسلم خوابیدہ کو یہ درس دیتے رہے

اے طاہر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی۔

مگر خود رزق کی خاطر بڑی پست فضاؤں میں محو پرواز رہے۔ زندگی بھر نہ طائر لاہوتی کا پرچھائیں تک ان پر پڑا اور نہ گلشن شعرو سخن کی گلگشت سے کنارہ کش ہو کر طائر قدس کے لیئے بازو پھڑ پھڑاتے۔ افکار معیشت کے باعث وہ باالعموم اضطراب اور بے سکونی کی حالت میں آخری دم تک رہے۔ یہ فرق ہے ایک شاعر اور ایک مرد برحق میں۔ شاعر جو کچھ کہتا ہے اس کی اپنی زندگی اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے اور ایک روحانی ہادی و رہنما اس تعلیم کا کامل پیرو اور نمونہ ہوتا جو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

ڈاکٹر غازی کا الزام کہ حضرت مرزا صاحب کو مسلم دشمنی اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی

ڈاکٹر غازی نے یہ ناپاک الزام تراشنے کے لیئے انتہائی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی کتاب "سوانح مسیح موعود" کے صفحہ ۳ و ۴ پر جو عبارت ہے وہ سر لیپل گریفن مصنف "پنجاب چیفس" کی ہے، نہ مرزا محمود احمد صاحب کی۔ دوسری بددیانتی یہ کی ہے کہ قارئین کے دماغوں میں زہر گھولنے کیلئے یہ قصہ گھڑا ہے کہ مرزا غلام مرتضے صاحب کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی پیدل فوج کا کمانڈر بنا کر ۱۸۴۲ میں پشاور بھیجا تھا تاکہ وہاں جاکر حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمتہ اور آپ کے مجاہدین کے خلاف جنگ کرے۔ یہ قصہ سرتاپا جھوٹ پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر غازی کو صرف عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور ہے۔ مگر علم دین اور علم تاریخ میں طفل مکتب ہے۔ علم دین میں اس کی بے بضاعتی جنوبی افریقہ کی عدالت عظمے میں طشت از بام ہو گئی تھی اور رہی سہی کسر ان کی زیر نظر کتاب نے نکال دی ہے۔ رہا علم تاریخ کا معاملہ تو اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ڈاکٹر غازی کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ حضرت سید احمد بریلوی رح اور آپ کے رفقاء نے سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے کب جام شہادت نوش فرمایا تھا اور خود مہاراجہ رنجیت سنگھ کا کب انتقال ہوا تھا۔ اگر یہ دونوں باتیں انہیں معلوم ہوتیں تو وہ سر لیپل گریفن کے اقتباس میں تلبیس سے کام لینے کی جرات نہ کرتے۔ بہر حال قارئین کی اطلاع کیلئے یہ بتانا ضروری ہو گیا ہے کہ یہ دونوں واقعات کب ہوئے۔ پہلا واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بالاکوٹ ضلع ہزارہ کے مقام پر حضرت سید احمد بریلوی رح اور ان کے جملہ رفقاء ۱۸۳۱ء میں سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو چکے تھے اور دوسرا واقعہ مہاراجہ رنجیت کی موت کا تھا۔ جو جون ۱۸۳۹ء میں ہوا اور اس کے تخت کا وارث اس کا بیٹا کھڑک سنگھ بن گیا۔ مگر وہ اکتوبر ۱۸۳۹ء میں خاندانی اور سکھ سرداروں کی چپقلش کے باعث حکومت سے دست بردار ہو گیا۔ ۱۸۴۸ء میں سکھوں کی جنگ انگریزوں سے ہو رہی تھی مولراج گورنر ملتان کے استعفے پر انگریزوں نے سردار کاہن سنگھ کا تقرر بطور گورنر ملتان کر دیا جسے سکھوں نے اپنی ہتک سمجھی۔ دیوان مولراج کی حمایت میں مرزا غلام محی الدین برادر مرزا غلام مرتضے صاحب اور کئی اور جاگیردار بشمول لنگر خان ساہیوال اور صاحب خان ٹوانہ نے مسلمانوں کو اکسایا اور مصر صاحبدیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور انہیں شکست فاش دی۔ مگر جب مارچ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا الحاق انگریزی حکومت سے ہوا۔ تو مرزا غلام مرتضے اور ان کے بھائی کی جاگیر جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دی تھی بحق سرکار انگریزی ضبط کر لی گئی اور صرف مبلغ سات صد روپے کی ایک پنشن مرزا غلام مرتضے اور ان کے بھائیوں کو عطا کی گئی۔ اگر

حضرت مرزا صاحب کے والد اور چچوں کا سکھ حکومت سے تعاون گناہ عظیم ہے تو اس گناہ میں اور بھی بڑے بڑے ذی وقار مسلمان خاندان پورے پورے حصہ دار تھے۔ فتح خان ٹوانہ کو مہاراجہ دلیپ سنگھ نے بہت بڑی جاگیر عطا کی۔ لنگر خان ساہیوال بھی ان میں شامل تھے۔ لاہور شہر کے کئی معزز خاندان سکھوں کے بہی خواہ تھے اور فقیر عزیز الدین کا خاندان بھی پیش پیش تھا اور اگر ڈاکٹر غازی اس زمانہ میں موجود ہوتے تو ان کا بھی یہی کردار ہوتا۔ جس زمانے میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے صوبہ سرحد پر چڑھائی کی تھی تو راستے میں کیانیوں اور دوسرے مسلمان راجگان نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ کاش غازی صاحب نے سکھوں کے دور حکومت کا کچھ مطالعہ کیا ہوتا۔ بہرحال غازی صاحب کے بیان کی اصلاح تاریخ کی روشنی میں ضروری تھی۔ جو کر دی گئی۔

علاوہ ازیں از روئے قرآن ہمیں یہی بتایا گیا ہے کہ جو کچھ ہمارے اجداد نے کیا اس کے جوابدہ وہ ہوں گے اور جو کچھ ہم کرتے ہیں اس کے جوابدہ عنداللہ ہم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ **لا تزرو وازرۃ وزرا اخری**۔ یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار نہیں۔ لہذا حضرت اقدس مرزا صاحب کو ان کے اجداد کے کسی فعل کا طعنہ دینا اخلاقاً اور شرعاً جائز نہیں۔ حضرت اقدس کے اجداد دنیا دار زیادہ تھے۔ مگر آپ دنیا سے کچھ رغبت نہ رکھتے اور اپنا زیادہ وقت عبادت، ریاضت اور مطالعہ قرآن میں صرف فرماتے تھے اور آپ کا بچپن اور جوانی کا زمانہ اتنا پاکیزہ تھا کہ آپ کی ہر کہ وہ بڑی عزت و تکریم کرتا تھا۔ آپ نے سنت انبیاء پر عمل کرتے ہوتے اپنے مخالفین کو چیلنج کیا تھا **فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون**۔ اس وقت تو کسی مخالف کو آپ کی قبل از دعویٰ زندگی پر کوئی الزام عائد کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ اب ایک صدی کے بعد باسی کڑی میں خدا جانے کیسے ابال آگیا ہے۔ غازی صاحب خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے پیرو کار جو لکھوکھہا کی تعداد میں کرہ ارض پر پھیلے ہوتے ہیں کم از کم بچانوے فیصد مسلمان خاندانوں سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان کی ذات میں مقناطیسی کشش نہ ہوتی اور آپ کے اندر اپنے مقتداء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا پاک نمونہ نہ ہوتا۔ تو کوئی شخص آپ کے قریب نہ پھٹکتا اور نہ اپنے اقربا اور جمہور مسلمان برادری اور علماء کی لعن طعن اور مخالفت برداشت کرتا۔ علماء مخالف دن رات مسلمانوں کے کانوں میں جھوٹے پراپوگنڈا سے زہر گھولتے رہتے تھے اور آپ کے قریب جانے سے روکتے رہتے تھے مگر جو فطرت سلیم رکھتے تھے اور جویائے حق تھے۔ وہ ہر شماتت اور لومۃ و لائم سے بے پرواہ ہو کر آپ کی خدمت میں جا پہنچے۔ جو بری نیت سے گئے وہ بھی۔ سپردم بتومایہ خویش را۔ کہہ کر واپس لوٹے اور آپ کی بیعت میں داخل ہونے والے تمام افراد اس شمع ہدایت کے پروانے بن گئے اور اپنی امانت دیانت حق گوئی اور زہد و اتقا کے باعث مثالی انسان بن گئے۔ انہوں نے اپنی حلال اور طیب کمائی سے دین اسلام کی اشاعت اور غلبہ کیلئے بے مثال قربانیاں دیں۔ سارے عالم اسلام میں صرف حضرت مرزا صاحب ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کی آواز پر غربا کی جماعت نے اسلام کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ پیش کر دیا۔ غربا کے چندوں سے دین اسلام کو چار چاند لگے اور خود جماعت تیز رفتاری سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ اگر حضرت مرزا صاحب مسلمانوں سے دشمنی رکھنے والے ہوتے تو لوگ آپ کے پاس کبھی جوق در جوق نہ آتے۔

ابھی میں نے "پنجاب چیفس" کے مصنف سر لیپل گریفن کے حوالہ سے بتایا کہ ۱۸۴۸ء کی جنگ سکھوں اور انگریزوں کے مابین ملتان میں ہوئی تھی حضرت مرزا صاحب کے چچا محی الدین نے سکھوں کی طرف سے جنگ انگریزوں کے خلاف لڑی تھی۔ مگر جب مارچ ۱۸۴۹ء میں سکھوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ تو مرزا غلام مرتضے

اور ان کے باقی خاندان کی جاگیر جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے عطا کی تھی وہ انگریزوں نے ضبط کر لی تھی۔ غازی صاحب نے تنکوں کا سہارا لے کر حضرت مرزا صاحب کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اب یہ قابل غور نقطہ ہے کہ اگر موصوف واقعی انگریز کے ایجنٹ تھے۔ تو اتنی بڑی خدمت کے صلے میں اور کچھ نہیں تو کم از کم ان کی آبائی جاگیر ہی واگزار کر دی ہوتی۔ درانحالیکہ بہت سارے سکھوں کی جاگیریں انہیں انگریز نے لوٹا دی تھیں۔ مگر وہ جاگیر باوجود سعی بسیار کے واپس نہ مل سکی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ انگریز سیاسی تسلط قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی فوج پادریوں کی یورپ سے لایا تھا اور اس نے ہندوستانی رعیت کو مذہبی آزادی محض اس مقصد کے پیش نظر دی تھی کہ اسے یقین کامل تھا کہ پادریوں کی مسلسل تبلیغ سے سرزمین ہند میں عیسائیت کو حیرت انگیز فروغ حاصل ہو گا اور اس کی راہ کو ہر مخالفت سے پاک و صاف کرنے کیلئے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ ہندوستانی بری طرح عیسائی منادوں سے پٹ رہے ہیں اور بڑی سرعت سے عیسائیت کے دام میں دھنستے چلے جا رہے ہیں اور جیسا کہ وزیر ہند اور وزیر اعظم انگلستان کے بیانات سے ظاہر ہو گیا تھا۔ کہ انگریز ہندوستان میں اپنی حکومت کا استحکام عیسائیت کے روز افزوں غلبہ میں دیکھتا تھا اسلیئے جب اس نے دیکھا کہ قادیان جیسے ایک گمنام قصبے کا ایک شخص تبلیغ عیسائیت کی راہ میں روک بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ تو اس کا رد عمل لازماً بڑا غیر معمولی ہوا ہو گا۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنا دامن سیاست ملکی سے بالکل پاک رکھا۔ مگر انگریز کے اصل اور بنیادی خطرناک منصوبے کے خلاف پوری ہمت جرات اور قوت کے ساتھ اصل جہاد کا آغاز کیا اور انگریز نے جو عیسائیت کے فروغ کا خواب دیکھا تھا اس کے تار و پود بڑے قلیل عرصہ میں بکھیر کے رکھ دیئے۔ میں یہاں امریکہ سے شائع ہونیوالی کتاب "اسلام اور پاکستان" مصنفہ مسٹر فریلینڈ ایبٹ سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ تاکہ عالمی سطح پر تحریک احمدیت کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا قارئین کو اندازہ ہو سکے۔ **وھو ھذہ۔**

"جماعت احمدیہ نے دیگر ادیان کے بارے میں جس قدر دلائل پیش کیئے ہیں زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کے شدید ترین مخالفوں نے انہیں بہ تمام و کمال قبول کر لیا ہے اپنی تبلیغی جوش اور عیسائیت کے خلاف پے در پے اور کثیر الاشاعت حملوں سے اس جماعت نے مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں مضبوط ایمان پیدا کر دیا ہے۔ گو یہ امر درست ہے کہ جمہور مسلمانوں میں مرزا غلام احمد کے ذاتی دعاوی نے مقبولیت حاصل نہیں کی۔ اور آپ کی تحریک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تاہم اس تحریک نے مسلمانوں کے قلوب میں یہ ایمان و یقین پیدا کر دیا ہے کہ یورپ کی موجودہ ترقی اور قوت کا سرچشمہ عیسائیت ہرگز نہیں اور دنیا کا سچا دین صرف اسلام ہے۔ اس تحریک کی بنیادی خصوصیت یہی ہے مگر یہ امر اس قدر تعجب انگیز ہے کہ جس تحریک کی ہر دو شاخوں نے دوسرے مذاہب کے مقابل دین اسلام کی حفاظت و توسیع کے میدان میں سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ پاک و ہند کے مسلمان سب سے زیادہ اسی جماعت کے خلاف صف آرا ہیں۔"

مسلمانوں کے اس معاندانہ رویہ کو دیکھ کر مجھے یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

ڈاکٹر غازی بھی ہمارے انہی مہربان آشناؤں میں سے ہیں جن کے نزدیک ابھی تک اسلام کے پانچ ارکان دین میں بھی جملہ علماء اور امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہوا ہے اور بہت بڑا سیاہ جھوٹ ہے چودہ سو سال سے اسلام کے پانچ ارکان مسلم چلے آ رہے ہیں۔ مگر چونکہ ان ارکان کی رو سے حضرت مرزا صاحب اور آپ کے متبعین کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں کیئے جا سکتے۔ اسلیئے آج کے

نام نہاد مخالف مسلمہ اور مصدقہ ارکان دین کو ناکافی اور نامکمل قرار دے رہے ہیں اور اپنی طرف سے مزید شرائط کا اضافہ کر دیا ہے تا کہ احمدی مسلمان قرار نہ پا سکیں۔ جن نام نہاد علماء کی نیت میں یہ فتور ہو وہ بھلا دین کی بین الاقوامی سطح پر کیا خدمت بجا لا سکتے ہیں۔

لیکن اس ضمن میں صدر مجلس احرار اسلام چوہدری افضل حق مرحوم کا بیان بڑا قابل غور ہے وہ فرماتے ہیں:-

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا۔ جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بد ظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لیئے چوکنا کر دیا مگر حسب معمول جلد ہی خواب گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لیئے پیدا نہ ہو سکی ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے اردگرد جمع کر کے اسلام کی نشرو اشاعت کے لیئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا۔ تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لیئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لیئے نمونہ ہے۔"

(فتنہ ارتداد اور پولیٹکل قلابازیاں ص ۴۶۔)

جس تحریک نے انگریز کو مذہبی پلیٹ فارم پر اتنی ذلت آمیز شکست دی تھی اور پھر جس تحریک نے ہندوستان سے باہر انگلستان، یورپ، امریکہ، افریقہ اور آسٹریلیا اور جزائر میں تثلیث پرستوں کے بالمقابل توحید کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے اگر انگریز کے سینے پر ان محیر العقول کامیابیوں سے سانپ لوٹنے لگے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ اس کا کینہ جماعت احمدیہ کے بارے میں بار بار کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہوتا رہا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی آبائی جاگیر مستقلاً ضبط ہی رہی۔ اسلیئے اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے مخالف علماء در حقیقت انگریز کے ایجنٹ تھے۔ کیونکہ وہ شب و روز حضرت مرزا صاحب اور آپ کے رفقاء کے تبلیغی اثرات کو مندمل کرنے میں مصروف رہے۔ تو کیا میں ایسا کہنے میں حق بجانب نہیں ہوں!

_____ بشارت احمد بقا